شترک بدقسمتی رہی ہے کہ انھوں نے اللہ کے دین کو تو ہمیشہ اپنی خواہشات و بدعات کے سانچہ میں ڈھال کر مسخ کیا لیکن انہی مسخ شدہ رسوم کی پرستش کو اتنی اہمیت دی کہ اپنے آپ کو دین کی محسن، خدا کی چہیتی اور محبوب بنا بیٹھیں اور یہ گمان کیا کہ جب ان کے ہاتھوں خدمتِ دین کے یہ کارنامے انجام پا رہے ہیں تو خدا ان پر کس طرح ہاتھ ڈال سکتا ہے۔ اسی فتنہ میں یہود مبتلا ہوئے، اسی میں نصاریٰ ہلاک ہوئے، یہی گمراہی قریش کو پیش آئی اور بڑے غم سے کہنا پڑتا ہے کہ اسی فتنہ میں شیطان نے اس امت کو بھی ڈال دیا۔ قریش کو یہ زعم تھا کہ وہ خانۂ کعبہ کے متولی، رفادہ اور سقایا کی خدمتیں انجام دینے والے اور حضرت ابراہیمؑ کی اولاد ہیں۔ اتنے سارے نسبی و حسبی امتیازات کے بعد خدا کے ہاں مقرب و محترم ہونے کے لیے اور کیا چاہیے۔ اس غرور کے سبب سے پیغمبرؐ کی طرف سے عذاب کے ڈراوے ان پر بڑے شاق گزرتے۔ وہ اپنے آپ کو خانہ کعبہ کا پاسبان سمجھے بیٹھے تھے اور ساتھ ہی یہ زعم بھی ان کو تھا کہ خانہ کعبہ بھی ان کا پاسبان ہے۔

'وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ' فرمایا کہ مسجد حرام کی تولیت کا یہ زعم باطل ان کو کس طرح عذاب سے بچا سکتا ہے، جب کہ ان کا کارنامہ یہ ہے کہ یہ اللہ کے ان بندوں کو اس گھر سے روکتے ہیں جو اس کے سب سے زیادہ حق دار ہیں، جو اصل دینِ ابراہیمی کے حامل ہیں اور جو اس گھر کو توحید کی اذان اور خدائے واحد کی عبادت سے از سرِ نو معمور کرنا چاہتے ہیں۔ یہ اشارہ مسلمانوں کی طرف ہے جو صرف اس گھر ہی سے نہیں بلکہ اس شہر سے بھی نکالے جا رہے تھے جس میں یہ گھر واقع تھا۔

قریش کے دعوائے تولیتِ بیت اللہ کی نفی

'وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ۭ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ' یہ ان کے دعوائے تولیت کی نفی کر دی کہ یہ اس گھر کے متولی کہاں سے ہوئے؟ اس کے متولی تو صرف اللہ کے متقی بندے ہی ہو سکتے ہیں۔ اس میں اشارہ ہے کہ یہ خائن، غدار اور اس گھر کے مقصد تعمیر اور اس کی حرمت کے برباد کرنے والے ہیں اس وجہ سے نہ انھیں اس پر مسلط رہنے کا کوئی حق ہے، نہ ان کے نام پر انھیں خدا سے کسی رعایت کی امید کرنی چاہیے۔ اس گھر کی تولیت کے اصلی حقدار ہمارے وہ متقی بندے ہیں جو ان ظالموں کے ہاتھوں اس سے روک دیے گئے ہیں۔

اس مقام پر وہ بات یاد رکھنی چاہیے جو بقرہ ۱۲۴ میں گزر چکی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو ایک عظیم امت کی امامت کے منصب پر سرفراز کرنے کا وعدہ فرمایا تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ کیا یہ منصب میری ذریت کو بھی حاصل رہے گا؟ جواب میں ارشاد ہوا کہ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ میرا یہ عہد تمھاری ذریت کے صالحین کے لیے ہے، 'ظالمین' اس میں شامل نہیں ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کی اس امامت کا مرکز (مثابہ) بیت اللہ قرار پایا اس وجہ سے آپ کی اس دعا اور اللہ تعالیٰ کی تصریح کے بموجب اس گھر کی تعمیر ہی کے وقت یہ فیصلہ ہو گیا تھا کہ اس کی تولیت اور ذریت ابراہیمؑ کی قیادت و امامت کے اصلی وارث صرف وہ لوگ ہوں گے جو اللہ کی توحید پر قائم رہنے والے، اس کے

حدود و قیود کی پابندی کرنے والے اور اس کے عہد و میثاق کا احترام کرنے والے ہوں گے نہ کہ وہ جنھوں نے ملتِ ابراہیمؑ اور بیت اللہ الحرام سب کی آبرو مٹا کر رکھ دی ہے۔ یہاں سیدنا مسیحؑ کے وہ الفاظ بھی یاد رکھیے جو اسی طرح کے موقع پر آنجناب نے بیت المقدس کی تولیت کے مدعی فقیہوں اور پروہتوں کو مخاطب کر کے فرمائے تھے کہ تم نے میرے باپ کے گھر کو چوروں کا بھٹ بنا ڈالا ہے۔

وَلٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ میں اس عام جہالت و بے خبری کی طرف اشارہ ہے جس میں اہل عرب اس وقت مبتلا تھے۔ ایک طویل مدت تک جاہلیت کی تاریکی میں زندگی گزارنے کی وجہ سے وہ اپنی اصل تاریخ بالکل بھلا بیٹھے تھے۔ انھیں قومی تفاخر کے طور پر اتنی بات تو یاد رہی کہ وہ حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد ہیں لیکن اس سے آگے انھیں کچھ خبر نہیں تھی کہ حضرت ابراہیمؑ اس سرزمین پر کیوں تشریف لائے، ان کی دعوت کیا تھی، وہ جس ملت کے داعی ہوئے اس کی امتیازی خصوصیات کیا ہیں، حضرت اسماعیل کو انھوں نے یہاں کیوں بسایا، خانہ کعبہ کی تعمیر کس مقصد کے لیے ہوئی اور اس گھر کے تعلق سے ذریت اسمٰعیلؑ کو اللہ کے دین کی کیا کیا امانتیں اور کیا ذمہ داریاں سپرد ہوئیں۔ چند معاشرتی رسوم اور حج کے کچھ مناسک جو حضرت ابراہیمؑ کے وقت سے چلے آ رہے تھے۔ ان میں بھی اتنی تبدیلیاں ہو گئی تھیں کہ اصلی اور ملاوٹ میں امتیاز مشکل ہو گیا تھا۔ خانہ کعبہ کو انھوں نے اپنا قومی معبد بنا لیا تھا جس کی کلید برداری اور اس کے مختلف شعبوں کی سربراہی وراثت کے طور پر مختلف خاندانوں میں منتقل ہوتی رہتی۔ جن پر آبائی جاگیر کی طرح ان کو فخر بھی ہوتا اور اسی حیثیت سے وہ ان پر متصرف بھی ہوتے۔ قرآن نے ان کی اسی جہالت کی طرف یہاں اشارہ کیا ہے کہ یہ خانہ کعبہ کی تولیت کے مدعی تو ہیں لیکن انھیں کچھ خبر نہیں کہ یہ خانہ کعبہ ہے کیا چیز اور اس کی تولیت کے شرائط کیا ہیں؟

خانہ کعبہ کی تعمیر کا اصل مقصد

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً ۚ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ـــــ یہ ایک مثال بیان ہوئی ہے اس بات کی کہ نہ یہ خانہ کعبہ کی تولیت کے اہل ہیں نہ انھیں اس گھر کے مقصد تعمیر کا کچھ پتا ہے۔ خانہ کعبہ کی تعمیر حضرت ابراہیمؑ نے جس مقصد کے لیے کی تھی اس کا ذکر سورۂ بقرہ میں تفصیل سے گزر چکا ہے۔ یہاں سورۂ ابراہیم کی مندرجہ ذیل آیات پر بھی ایک نظر ڈال لیجیے۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَٰذَا	اور یاد کرو جب ابراہیم نے دعا کی: اے میرے رب،
الْبَلَدَ آمِنًا وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ	اس سرزمین کو پرامن سرزمین بنا دے اور مجھ کو
نَعْبُدَ الْأَصْنَامَ ۝ رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ	اور میری اولاد کو بتوں کی پرستش سے محفوظ رکھ۔
كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ ۖ فَمَنْ تَبِعَنِي	اے میرے رب، ان بتوں نے بہتوں کو گمراہ کر رکھا ہے
فَإِنَّهُ مِنِّي ۖ وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ	سو جو میری پیروی کرے وہ مجھ سے ہے اور جو میری

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ (ابراہیم - ۱۴ : ۳۷)

نافرمانی کرے تو تو غفور رحیم ہے۔ اے ہمارے رب، میں نے اپنی اولاد میں سے کچھ کو تیرے محترم گھر کے پاس ایک بن کھیتی کی سرزمین میں بسایا ہے۔ اے ہمارے رب تاکہ وہ نماز کا اہتمام کریں۔ پس تو لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر اور ان کو پھلوں کی روزی عطا فرما تاکہ وہ تیرے شکرگزار رہیں۔

خانہ کعبہ کے مقصد کی بربادی

اس دعا کے الفاظ پر غور کیجیے تو اس سے واضح ہو جائے گا کہ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسمٰعیلؑ کو مکہ میں کیوں بسایا تھا، اپنی ذریت کے لیے انھوں نے کیا دعا فرمائی، بیت اللہ کی تعمیر کا مقصد کیا تھا اور ذریت اسمٰعیل کو اس گھر کے جوار میں بسانے سے ان کے پیش نظر کیا مدعا تھا؟ خاص طور پر 'رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ' کے الفاظ شاہد ہیں کہ جس طرح بیت اللہ اللہ کی عبادت کا مرکز بنایا گیا تھا۔ اسی طرح ذریت اسمٰعیل کو اس گھر کے جوار میں بسانے سے اصل مدعا نماز کا اہتمام و قیام تھا۔ لیکن قریش نے جس طرح بیت اللہ کو شرک و بت پرستی کا ایک گڑھ بنا کے رکھ دیا اسی طرح نماز کی بھی، جس کی خاطر ہی انھیں یہاں بسایا گیا تھا، بالکل آبرو مٹا کر رکھ دی۔ فرمایا کہ ان کی نماز کیا ہے، سیٹی بجانا اور تالی پیٹنا۔ مُکا، یمکو، مکاءً کے معنی سشکارنے اور منہ سے سیٹی بجانے کے ہیں۔ 'تصدیہ' کے معنی تالی پیٹنے کے ہیں۔ قرآن نے نہایت بلاغت سے ان کی عبادت کی ظاہری ہیئت ہی سے نمایاں کر دیا کہ بھلا اس مسخرا پن کو نماز سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ صورت بعین حالت پر ہے۔ ہم کسی دوسرے مقام میں اشارہ کر چکے ہیں کہ یہ جانچنے کے لیے کہ کیا بات دین کی ہے، کیا نہیں ہے جہاں باطنی کسوٹیاں ہیں وہیں ظاہری کسوٹیاں بھی ہیں۔ اگر کوئی شخص دین کا ذوق رکھتا ہو تو بہت سی بدعتوں کو ان کی ظاہری ہیئت ہی سے پہچان جاتا ہے کہ ان خرافات کو دین سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔ تعزیہ داری کے رسوم، مزاروں پر ہونے والی خرافات اور متصوفین کی مجالس کی حرکتیں، ایسی چیزیں نہیں ہیں جن کی لغویت کا فیصلہ کرنے کے لیے کسی علمی کاوش کی ضرورت ہو۔ ہر صاحب ذوق بیک نظر دیکھ کر فیصلہ کر لیتا ہے کہ ان چیزوں کو دین سے کوئی دور کا بھی علاقہ نہیں ہو سکتا۔ دین کی ہر بات میں وقار، متانت، فروتنی، خشیت اور پاکیزگی کی جھلک اور معرفت، حکمت، دانش اور روحانیت کی مہک ہوتی ہے۔ جس کی آنکھوں میں کچھ بصیرت اور جس کی روحانی قوت شامہ میں ذرا بھی زندگی ہو تو وہ صرف دیکھ اور سونگھ ہی کر جان جاتا ہے کہ فلاں چیز دین کی نہیں ہے۔ علمی تحقیق و کاوش کا مرحلہ اس کے بعد آتا ہے اور اس کے وسائل و ذرائع الگ ہیں۔ یہاں قرآن نے یہی دکھایا ہے کہ مدعیان تولیت کعبہ کی نماز ہے جس کی صورت ہی گواہی دیتی ہے کہ یہ شیطان کی ایجاد ہے۔ اس میں اس نماز کی ادنیٰ جھلک بھی نہیں ہے۔ جس کے

اہتمام و قیام کے لیے یہ یہاں بسائے گئے تھے اور جس کی خاطر خدا کا یہ گھر ان کی تحویل میں دیا گیا تھا۔

مشرکانہ عبادت کے اجزاء

یہ شنت کارنا، سیٹی بجانا، سنکھ بجانا، ناقوس بجانا سب ایک ہی نوع کی چیزیں ہیں۔ یہ چیزیں شروع سے مشرکانہ عبادت کے اجزا میں سے ہیں۔ یہ تحقیق مشکل ہے کہ ان کے پیچھے کیا تصور کارفرما رہا ہے، ممکن ہے یہ حرکتیں بھوت بھگانے کے لیے اختیار کی گئی ہوں۔ ہم دوسرے مقام میں ذکر کر چکے ہیں کہ قریش نے سارے عرب پر اپنی مذہبی سیادت جمانے کے لیے یہ چالاکی کی تھی کہ تمام قبیلوں کے بت خانہ کعبہ اور اس کے جوار میں جمع کر دیے تھے۔ ظاہر ہے کہ جب یہ بت آئے تو ان کے ساتھ ان کی پرستش کے آداب و رسوم بھی آئے۔ بالآخر بات یہاں تک پہنچی کہ ابراہیمی نماز تو حرم سے بالکل خارج کر دی گئی، یہاں تک کہ اس کے جاننے والے بھی باقی نہیں رہ گئے، البتہ سیٹی اور تالی بجانے کی حماقتیں باقی رہ گئیں۔

قریش کو تہدید

فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ۔ اوپر وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ سے جو بات بصیغۂ غائب شروع ہوئی تھی، قریش کے مذکورہ جرائم گنانے کے بعد وہی بات قریش کو مخاطب کر کے کہہ دی گئی اور اس خطاب میں تہدید کے پہلو سے جو بلاغت ہے وہ واضح ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ خبط ذہن سے نکالو کہ تم خانہ کعبہ کے متولی اور اس کے پاسبان ہو۔ اپنے منہ میاں مٹھو نہ بنو۔ تمہارے کفر اور تمہاری خیانت و بدعہدی کی ایک پوری تاریخ بن چکی ہے تو اب اس کی پاداش میں خدا کا عذاب چکھو۔ اس میں اشارہ اس چپت کی طرف بھی ہے جو بدر میں ان کو لگا اور آئندہ جو طمانچے لگنے والے ہیں ان کی دھمکی بھی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اب خدا کی مار پڑنی شروع ہو گئی ہے یکے بعد دیگرے چکھتے جاؤ اور گنتے جاؤ۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ڛ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ۝ لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰي بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (۳۶-۳۷)

خدا کا انتقام بے پناہ ہے

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ الآیۃ۔ اب یہ بات واضح کی جا رہی ہے کہ اس وقت قریش کے لیڈروں میں اسلام کے مٹانے کے لیے جو جوش و خروش ہے اور اس جوش میں وہ بڑی فیاضی سے جو اپنی دولت لٹا رہے ہیں، یہ چیز بھی اس فرقانِ حق کے نمایاں ہونے میں مانع نہ ہو سکے گی جس کا اہل ایمان سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔ اس وضاحت کی ضرورت اس لیے تھی کہ فی الواقع قریش کے لیڈروں نے بدر کے موقع پر بڑی دریا دلی دکھائی تھی، جنگ کا سامان اور فوج کی رسد فراہم کرنے میں ہر سردار نے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کی۔ کمزور قسم کے مسلمانوں پر یہ چیز بھی اثرانداز ہوئی کہ قریش کے پاس تعداد اور سامانِ جنگ کی کثرت بھی ہے، مال کی بہتات بھی ہے اور خرچ کرنے کے لیے جوش و خروش بھی ہے، بھلا ایسے لوگوں سے تھوڑے سے بے سروسامان مسلمان کیا مقابلہ کر

سکیں گے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ راہ حق سے روکنے کے لیے یہ زرپاشیاں جو ہو رہی ہیں ان سے مرعوب نہ ہو۔ ان خزف ریزوں اور تنکوں سے اس سیلاب کے مقابل میں بند نہیں باندھا جا سکے گا جو آ رہا ہے۔ بے شک انھوں نے بڑی فیاضی سے خرچ کیا ہے اور ابھی اور بھی یہ خرچ کریں گے لیکن ان تمام زرپاشیوں کا حاصل کفِ افسوس ملنے کے سوا اور کچھ نہ نکلے گا۔ یہ بہت جلد منہ کی کھائیں گے۔ دنیا میں ان کے لیے شکست مقدر ہو چکی ہے اور آخرت میں یہ جہنم کی طرف ہانک کے لے جائے جائیں گے 'یُحۡشَرُوۡنَ' کے ساتھ 'الیٰ' کے صلہ نے اس کے اندر ہانک کرلے جائے جانے کا مفہوم پیدا کر دیا ہے۔ ترجمہ میں ہم نے اس کا لحاظ رکھا ہے۔

'لِیَمِیۡزَ اللّٰہُ الۡخَبِیۡثَ مِنَ الطَّیِّبِ الآیۃ' یہ اس فرقان کا بیان ہے جو آخرت میں ظاہر ہو گا۔ وہاں اللہ تعالیٰ سارے خبیث کو طیب سے بالکل الگ کر دے گا۔ پھر خبیث کو ایک دوسرے پر تہ بہ تہ ڈھیر کر دے گا، پھر اس پورے ڈھیر کو جہنم میں جھونک دے گا۔ 'رَکم' کے معنی کسی شے کو ایک دوسرے پر تہ بہ تہ ڈھیر کرنے کے ہیں۔ کوڑے کرکٹ کو جلانا ہو تو اس کے لیے طریقہ یہی اختیار کیا جاتا ہے، سب کو جمع کر کے تہ بہ تہ ڈھیر کیا جاتا ہے پھر اس کو آگ دکھا دی جاتی ہے۔ تہ بہ تہ جمع کرنے کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ آگ زیادہ مقدار میں ایندھن پا کر پورے زور سے بھڑکتی ہے اور جمع شدہ انبار کا ہر حصہ دوسرے حصہ کو جلانے میں مددگار بن جاتا ہے۔ اس میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے کہ اہل کفر جس طرح اس دنیا میں تائید کفر میں ایک دوسرے کے پشت پناہ ہیں، اسی طرح جہنم میں ایک دوسرے کو جلانے کے لیے باہمدگر ایندھن کا کام دیں گے۔

'اُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ' فرمایا کہ اصلی نامراد یہی ہیں۔ اس لیے کہ دنیا میں ان کا انجام یہ ہو گا کہ یہ اپنے مال برباد کریں گے، کفِ افسوس ملیں گے۔ ذلت کے ساتھ شکست کھائیں گے اور آخرت میں یہ ہو گا کہ کوڑے کرکٹ کے انبار کی طرح اکٹھا کر کے جہنم میں جھونک دیے جائیں گے۔ خَسِرَ الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَۃَ۔

قُلۡ لِّلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اِنۡ یَّنۡتَہُوۡا یُغۡفَرۡ لَہُمۡ مَّا قَدۡ سَلَفَ ۚ وَ اِنۡ یَّعُوۡدُوۡا فَقَدۡ مَضَتۡ سُنَّتُ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۳۸﴾ وَ قَاتِلُوۡہُمۡ حَتّٰی لَا تَکُوۡنَ فِتۡنَۃٌ وَّ یَکُوۡنَ الدِّیۡنُ کُلُّہٗ لِلّٰہِ ۚ فَاِنِ انۡتَہَوۡا فَاِنَّ اللّٰہَ بِمَا یَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ ﴿۳۹﴾ وَ اِنۡ تَوَلَّوۡا فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ مَوۡلٰىکُمۡ ؕ نِعۡمَ الۡمَوۡلٰی وَ نِعۡمَ النَّصِیۡرُ ﴿۴۰﴾ ۳۸-۴۰

قریش کو دعوتِ استغفار

'قُلۡ لِّلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اِنۡ یَّنۡتَہُوۡا یُغۡفَرۡ لَہُمۡ مَّا قَدۡ سَلَفَ' اوپر ہم اشارہ کر چکے ہیں کہ یہ قریش کو دعوتِ استغفار ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر وہ اس عذاب سے بچنا چاہتے ہیں جس کی انھیں خبر دی جا رہی ہے تو وہ اس روش سے باز آئیں۔ توبہ اور اصلاح کریں، رسول کی دعوت پر لبیک کہیں۔ اگر انھوں نے اپنی روش بدل لی تو جو شرارتیں اور جو ظلم وہ اب تک کر چکے ہیں اللہ ان کو معاف کر دے گا، ان کی بنا پر وہ کسی عذاب میں نہیں پکڑے جائیں گے۔

ترغیب کے بعد ترہیب

'وَ اِنۡ یَّعُوۡدُوۡا فَقَدۡ مَضَتۡ سُنَّتُ الۡاَوَّلِیۡنَ' یہ ترغیب کے بعد ترہیب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر یہ

باز نہ آئے، اسی طرح شرارتیں کرتے رہے تو یاد رکھیں کہ وہ بھی اسی سنت الٰہی سے دوچار ہوں گے جس سے رسولوں کی تکذیب کرنے والی پچھلی قومیں دوچار ہو چکی ہیں۔ یہ اشارہ ہے عاد و ثمود، مدین اور قوم لوط وغیرہ کی طرف جن کی تاریخ تفصیل سے اعراف میں قریش کو سنائی جا چکی ہے۔ یہ بات ہم اس کتاب میں جگہ جگہ واضح کرتے آ رہے ہیں کہ جس قوم میں رسول کی بعثت ہوتی ہے اس پر اللہ کی حجت تمام ہو جاتی ہے۔ اس وجہ سے وہ قوم اگر اپنے کفر پر اڑی رہتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو لازماً ہلاک کر دیتا ہے۔ خواہ وہ قہر الٰہی سے ہلاک ہو یا اہلِ ایمان کی تلوار سے۔ رسول اتمام حجت کا سب سے بڑا بلکہ آخری ذریعہ ہوتا ہے اس وجہ سے اس کے بعد اس کی قوم کو مہلت نہیں ملتی۔

مسلمانوں کو جہاد کا حکم

'وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ' یہ مسلمانوں کو قریش سے جنگ کرنے کا حکم ہے اور اس جنگ کے پیشِ نظر مقصد دو بتائے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ فتنہ کا خاتمہ ہو جائے اور دوسرا یہ کہ دین تمام تر اللہ کا ہو جائے۔

'فتنہ' کا مفہوم

'فِتْنَةٌ' کا لفظ جیسا کہ ہم دوسرے مقام میں واضح کر چکے ہیں، یہاں (PERSECUTION) کے مفہوم میں ہے۔ یعنی مسلمانوں کو بجبر و ظلم دین حق سے روکنے کا وہ سلسلہ جو قریش اور ان کے اعوان نے جاری کر رکھا تھا فرمایا کہ ان سے جنگ کرو اور یہ جنگ جاری رکھو یہاں تک کہ اس سرزمین سے اس فتنہ کا استیصال ہو جائے۔ کسی کے لیے اس کا کوئی امکان باقی نہ رہ جائے کہ وہ کسی مسلمان کو اسلام لانے کی بنا پر ستا سکے، عام اس سے کہ وہ امیر ہو یا غریب، آزاد ہو یا غلام۔

حرم میں دین الٰہی کا قیام

'دین' تمام تر اللہ کا ہو جائے، یعنی حرم کی سرزمین پر اللہ کے دین کے سوا کوئی اور دین باقی نہ رہے۔ اوپر ہم وضاحت کے ساتھ بیان کر چکے ہیں کہ بیت اللہ کی تعمیر ملت ابراہیم کے مرکز اور اس کے قبلہ کی حیثیت سے ہوئی تھی۔ یہ گھر اللہ واحد کی عبادت کے لیے تعمیر ہوا اور اس کی تولیت کے حق دار وہ لوگ ٹھہرائے گئے جو ملت ابراہیم کے حامل اور نماز کے قائم کرنے والے ہوں۔ قریش نے، جیسا کہ اوپر واضح ہوا، اس گھر کے تمام مقاصد برباد کر کے اس کو ایک بت خانہ بنا ڈالا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کی دعا کے مطابق جب اپنا آخری نبی اس قوم میں بھیجا اور اس نے لوگوں کو اصل ملت ابراہیم کی دعوت دی تو قریش کے مفاد پرست لیڈر نبی اور اس کے ساتھیوں کے دشمن ہو گئے اور ان کو اس گھر سے روک دیا حالانکہ اس گھر کی تولیت کے اصلی حق دار وہی تھے نہ کہ قریش جنھوں نے ملت ابراہیم چھوڑ کر دین شرک اختیار کر لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ ان غاصبوں اور خائنوں سے جنگ کرو اور یہ جنگ جاری رکھو یہاں تک کہ سرزمین حرم پر اللہ کے دین یعنی اسلام کے سوا جو ابراہیم کا دین تھا کوئی اور دین باقی نہ رہ جائے۔ اسی بات کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں مؤکد فرمایا کہ اس سرزمین پر دو دین جمع نہیں ہو سکتے۔ اصلاً تو یہ حکم سرزمین حرم کے لیے ہے لیکن کفر و شرک کے اثرات سے اس کی

حفاظت بغیر اس کے ممکن نہیں کہ وہ پورا علاقہ کفر و شرک کی مداخلت سے پاک رہے جس میں حرم واقع ہے۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ جس طرح مکہ حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ سے محترم ہے اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کو محترم قرار دیا جس سے اس حکم کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا۔ یہ چیز مقتضی ہوئی کہ اس تمام علاقے سے غیر مسلم عناصر بے دخل کر دیے جائیں جس میں حرمین واقع ہیں۔ چنانچہ اس پورے علاقے سے کفارِ قریش کا تسلط بھی ختم کر دیا گیا اور پھر بالتدریج یہود اور نصاریٰ بھی یہاں سے نکال دیے گئے۔

قریش کے ساتھ مسلمانوں کی نزاع کی نوعیت

اس سے معلوم ہوا کہ قریش کے ساتھ مسلمانوں کی نزاع کسی جزوی معاملے کے لیے نہیں تھی کہ وہ طے ہو جائے تو نزاع ختم ہو جائے بلکہ اصلاً اس بات کے لیے تھی کہ خانۂ کعبہ روزِ اوّل سے ملتِ ابراہیمؑ کا مرکز ہے۔ اس ملت کے سوا کسی اور ملت کے لیے اس سرزمین پر گنجائش نہیں ہے، اس ملت کی تجدید اور بیت اللہ کی تطہیر کے لیے اللہ تعالیٰ نے قریش ہی کے اندر اپنے آخری رسولؐ کو مبعوث فرمایا تاکہ اس کے ہاتھوں اللہ کا دین کامل ہو اور یہ گھر، جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ نے دعا فرمائی تھی، تمام عالم کے لیے ہدایت و برکت کا سرچشمہ بنے۔ یہاں ان اشارات پر اکتفا فرمائیے۔ انشاء اللہ اس کی تفصیل سورۂ برأت اور سورۂ حج کی تفسیر میں آئے گی۔

'فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا یَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ'۔ اس 'انتھو' کا مفہوم بھی وہی ہے جو اوپر والی آیت کے تحت بیان ہو چکا ہے۔ یعنی اگر انھوں نے اپنی روش کی اصلاح کر لی تو اللہ تعالیٰ ان کی ماضی کی غلطیوں کو نہیں دیکھے گا بلکہ ان کے مستقبل کے اعمال کو دیکھے گا، اگر انھوں نے اخلاص کا ثبوت دیا تو اس کے مطابق ان کے ساتھ معاملہ کرے گا۔

مسلمانوں سے نصرت کا وعدہ

'وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ط نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِیْرُ' اور اگر انھوں نے اعراض کیا، اپنی اسی ضد اور ہٹ پر جمے رہے تو تمھارا مولا و مرجع اللہ ہے۔ تم ان کی کثرتِ تعداد اور ان کے سروسامان کی بہتات سے ہراساں نہ ہو۔ خدا نے اپنی شانیں جس طرح اب تک دکھائی ہیں اسی طرح وہ اپنی شانیں آیندہ بھی دکھائے گا۔ وہ بہترین مولیٰ ہے، اپنی مشکلات میں جو اس سے رجوع کرتے ہیں وہ ان کو کبھی مایوس نہیں کرتا، وہ بہترین مددگار ہے، جن کی مدد کے لیے وہ اٹھ کھڑا ہوتا ہے وہ کبھی شکست نہیں کھاتے۔

۸۔ آگے کا مضمون ——— آیات ۴۱-۴۹

یاد ہو گا اس سورہ کا آغاز اموالِ غنیمت سے متعلق لوگوں کے سوال سے ہوا تھا۔ وہاں سوال کا ایک اصولی جواب دے کر کلام کا رخ مسلمانوں کے ایک گروہ کی ان کمزوریوں کی اصلاح کی طرف مڑ گیا تھا جو اس سوال اور اسی نوعیت کے بعض دوسرے معاملات کی وجہ سے سامنے آئی تھیں۔ اب سوال کے تعلق سے

اموال غنیمت کی تقسیم کا ضابطہ بیان فرمایا اور مسلمانوں کو تاکید کی کہ اللہ کی اس تقسیم کو راضی خوشی قبول کرو اس لیے کہ جو کچھ تمہیں حاصل ہوا خدا کی تدبیر اور کارسازی سے حاصل ہوا اور آئندہ جو کچھ حاصل ہو گا اسی کی تدبیر و کارسازی سے حاصل ہو گا۔ یہ نہ خیال کرو کہ یہ سب کچھ تمہاری کارفرمائی ہوتی ہے بلکہ اصل چیز خدا کی تدبیر ہے جس کو وہ تمہارے واسطے سے بروئے کار لاتا ہے۔

اس کے بعد آئندہ پیش آنے والی جنگوں سے متعلق کچھ ہدایات دی ہیں جو جنگ میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے بھی ناگزیر ہیں اور جو اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے جہاد کرنے والوں کو دوسرے جنگ آزماؤں سے ممتاز بھی کرتی ہیں۔ اس روشنی میں آگے کی آیات کی تلاوت فرمائیے اور اس امر کو برابر ملحوظ رکھیے کہ اس پوری سورہ میں خطاب اگرچہ بظاہر الفاظ عام ہے لیکن روئے سخن مسلمانوں کے اس گروہ کی طرف خاص طور سے ہے جو ابھی اچھی طرح پختہ نہیں ہوا تھا۔ ارشاد ہوتا ہے۔

آیات ۴۱-۴۹

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۱﴾ اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ۭ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ ۙ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ڏ لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰي مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۴۲﴾ اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا ۭ وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۴۳﴾ وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۭ وَاِلَى اللّٰهِ

ع ۱

تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۴۴﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۴۷﴾ وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْۤ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْۤ اَخَافُ اللّٰهَ ؕ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۴۸﴾ اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰۤؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ ؕ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۴۹﴾

ع ۲

ترجمہ آیات ۴۱ - ۴۹

اور جان رکھو کہ جو کچھ تم غنیمت حاصل کرو تو اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لیے اور رسول کے لیے اور قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے، اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور اس چیز پر جو ہم نے اپنے بندے پر اتاری فیصلہ کے دن، جس دن دونوں جماعتوں میں مڈبھیڑ ہوئی اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ۴۱

خیال کرو جب تم وادی کے قریبی کنارے پر تھے اور وہ دور کے کنارے پر اور قافلہ تم سے نیچے تھا اور اگر تم باہم میعاد ٹھہرا کر نکلتے تو میعاد پر پہنچنے میں ضرور تم مختلف

ہوجاتے لیکن اللہ نے فرق نہ ہونے دیا تاکہ اللہ اس امر کا فیصلہ فرمادے جس کا ہونا طے ہو چکا تھا، تاکہ جسے ہلاک ہونا ہے حجت دیکھ کر ہلاک ہو اور جسے زندگی حاصل کرنی ہے وہ حجت دیکھ کر زندگی حاصل کرے۔ بے شک اللہ سمیع و علیم ہے۔ یاد کرو جب اللہ تیری رویا میں ان کو کم دکھاتا ہے اور اگر زیادہ دکھا دیتا تو تم پست ہمت ہو جاتے اور معاملے میں اختلاف کرتے لیکن اللہ نے بچا لیا، بے شک وہ دلوں کے حال سے باخبر ہے اور خیال کرو جب کہ تمھاری مڈبھیڑ کے وقت ان کو تمھاری نظروں میں کم دکھاتا ہے اور تم کو ان کی نظروں میں کم دکھاتا ہے تاکہ اس امر کا فیصلہ فرمادے جس کا ہونا طے شدہ تھا اور سارے معاملات اللہ ہی طرف لوٹتے ہیں۔ ۴۲-۴۴

اے وہ جو ایمان لائے ہو، جب تمھارا کسی جماعت سے مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو زیادہ یاد کرو تاکہ تم کامیابی حاصل کرو۔ اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں اختلاف نہ کرو کہ تم پست ہمت ہو جاؤ اور تمھاری ہوا اکھڑ جائے اور ثابت قدم رہو۔ بے شک اللہ ثابت قدموں کے ساتھ ہے۔ اور ان لوگوں کی مانند نہ بننا جو اپنے گھروں سے اکڑتے اور لوگوں کے آگے اپنی نمائش کرتے نکلے اور جو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں، حالانکہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں اللہ سب کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اور یاد کرو جب کہ شیطان نے ان کے اعمال ان کی نگاہوں میں کھبا دیئے اور کہا کہ آج لوگوں میں کوئی نہیں کہ تم پر غالب آسکے اور میں تمھارا پشت پناہ ہوں تو جب دونوں گروہ آمنے سامنے ہوئے تو وہ الٹے پاؤں بھاگا اور بولا کہ میں تم سے بری ہوں، میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ رہے ہو۔ میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ سخت پاداش والا ہے۔ یاد کرو

جب منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ ہے کہتے تھے، ان لوگوں کو ان کے دین نے دھوکے میں ڈال دیا ہے اور جو اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں تو اللہ عزیز و حکیم ہے۔ ۴۵ - ۴۹

۹۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ اِنْ کُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ وَاللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (۴۱)

'اِعْلَمُوْا' کا محل

'وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ' 'اِعْلَمُوْا' کا لفظ یہاں جس سیاق میں ہے اس سے اس حکم کی قطعیت اور عظمت واضح ہو رہی ہے جو یہاں بیان ہوا ہے۔ چونکہ اموالِ غنیمت سے متعلق، جیسا کہ سورہ کے شروع میں معلوم ہو چکا ہے، کچھ لوگوں نے ناروا قسم کے سوال اٹھا دیے تھے اس وجہ سے پہلے ان کی کمزوریوں پر تفصیل سے تبصرہ کیا، پھر جب ان کے سوال کا جواب دیا تو اس کا آغاز ایک تنبیہی کلمہ سے فرمایا کہ لوگ گوش ہوش سے سنیں اور بادشاہ کائنات کے فرمان کی حیثیت سے بے چون و چرا اور بلا اختلاف و نزاع اس کی تعمیل کریں۔

اموالِ غنیمت کی حیثیت

'غَنِمَ الشَّیْءَ' کے معنی ہیں 'فَازَبِهٖ وَنَالَهٗ بِلَا بَدَلٍ' فلاں چیز بلا کسی عوض کے حاصل کر لی۔ اسی سے 'غنیمت' ہے جس سے مراد وہ مال و اسباب ہوتا ہے جو میدانِ جنگ میں کفار سے مسلمان مجاہدین کو حاصل ہوتا ہے۔ میدانِ جنگ میں حاصل شدہ مال و اسباب کو 'نفل' یا 'غنیمت' کے الفاظ سے تعبیر کر کے قرآن نے یہ حقیقت واضح فرمائی ہے کہ یہ جہاد و قتال کا کوئی معاوضہ نہیں ہے بلکہ ایک ضمنی اور زائد فائدہ ہے جو ایک مجاہد کو حاصل ہوتا ہے۔ مجاہد، اللہ کی راہ میں جو جہاد کرتا ہے وہ ایک فرض ادا کرتا ہے اور اس کا اجر اس کو اللہ کے ہاں ملتا ہے جو اس کی ابدی زندگی کے لیے محفوظ ہو گیا۔ رہی یہ چیزیں جو اسے سر راہے حاصل ہو جاتی ہیں تو یہ زوائد ہیں۔ حاصل ہو جائیں تو غنیمت، نہ حاصل ہوں تو نہ ان کی طمع کرے نہ غم۔ قرآن نے یہ تصور دے کر اس جاہلی تصور کی اصلاح کی ہے جس میں اہل عرب اب تک مبتلا رہے تھے کہ وہ جنگ کا اصلی حاصل لوٹ کے مال کو سمجھتے تھے اور اسی چیز سے وہ اس کے نفع و نقصان کا اندازہ لگاتے تھے۔ اس تصور کا کچھ اثر مسلمانوں کے ایک گروہ کے اندر بھی باقی تھا جو بدر کے موقع پر ظاہر ہوا اور قرآن نے اس کی اصلاح فرمائی۔ 'فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ' یہ اس مجمل جواب کی تفصیل ہے جو آیت ۱ میں 'قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ

وَالرَّسُوْلِ کے الفاظ سے دیا گیا ہے۔ وہاں ہم اشارہ کر آئے ہیں کہ یہ اجمالی جواب دے کر کہ اموالِ غنیمت کی حیثیت انفرادی ملکیت کی نہیں ہے، جیسا کہ جاہلیت میں دستور رہا ہے بلکہ اجتماعی ملکیت کی ہے، کلام کا رُخ اس ذہنیت کی اصلاح کی طرف مڑ گیا تھا جس کا اظہار مسلمانوں کے ایک مخصوص گروہ کی طرف سے ہوا تھا۔ اب یہ اس اجتماعی ملکیت کی تقسیم کا طریقہ بیان فرما دیا۔

اموالِ غنیمت کی تقسیم

فرمایا کہ اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لیے اور رسُول کے لیے اور قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔ یعنی جاہلیت کا یہ دستور کہ جو شخص جو مال و اسباب لوٹے وہ اس کا ہے، ختم ہوا۔ اب سارا مالِ غنیمت اکٹھا کیا جائے گا اور اس میں سے پانچواں حصہ اللہ و رسولؐ کا حق نکال کر بقیہ مال مجاہدین میں تقسیم ہوگا۔ یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں سردارانِ قبائل لوٹے ہوئے مال میں سے چوتھا لیتے تھے جس کو 'مرباع' کہتے تھے، اور یہ مال ان کے ذاتی تصرف میں آتا تھا۔ اسلام نے مالِ غنیمت میں سے اللہ و رسولؐ کا حق صرف پانچواں حصہ رکھا اور یہ بھی، جیسا کہ آگے آ رہا ہے، تمام تر معاشرہ کی اجتماعی بہبود کے کاموں کے لیے معاشرہ کو لوٹا دیا۔

اللہ کا حق اور اس کا مصرف

اس پانچویں حصہ کے مصارف کی تفصیل میں سب سے پہلے اللہ کا حق بیان ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ ظاہر ہے کہ ہر چیز سے بے نیاز اور غنی ہے۔ اس کے حق کا اصلی مصرف وہ کام ہوں جو اعلائے کلمۃ اللہ، اقامتِ دین اور حفاظت و مدافعتِ ملت کی نوعیت کے ہوں گے۔ زمانہ اور حالات کی تبدیلی سے ان کی شکلیں مختلف ہو سکتی ہیں لیکن ہر شکل میں اعلائے کلمۃ اللہ کے نصب العین کو مدنظر رکھنا لازمی ہوگا۔

رسول کا حق اور اس کی نوعیت

دوسرا حق رسول کا بتایا گیا ہے۔ میرے ذہن میں یہ بات بار بار آتی ہے کہ رسول کا یہ حق بحیثیت رسول کے نہیں بلکہ اسلامی ریاست کے سربراہ کی حیثیت سے بیان ہوا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول بھی تھے اور آپ کے ہاتھوں مدینہ منورہ میں جو اسلامی حکومت قائم ہوئی اس کے قائد و سربراہ بھی۔ جہاں تک فریضۂ رسالت کا تعلق ہے اس پر آپ کو اللہ تعالیٰ نے مامور فرمایا تھا اور قرآن میں اس بات کی تصریح ہے کہ اس نے اپنے رسول کی ساری ذمہ داریاں براہِ راست اپنے ہی اوپر لی تھیں لیکن ریاست کے سربراہ کی حیثیت سے جب کہ آپ کے مبارک اوقات کا لمحہ لمحہ اس کی ذمہ داریاں ادا کرنے میں صرف ہو رہا تھا یہ ضروری ہوا کہ اس مال میں آپ کا حق بھی رکھا جائے۔ یہ حق درحقیقت ریاست کے سربراہ کا حق تھا جو حضورؐ کے وصال کے بعد آپ سے آپ حضورؐ کے خلیفہ اور جانشین کی طرف منتقل ہو گیا۔

ذوی القربیٰ کا حق اور اس کی نوعیت

تیسرا حق 'ذِی الْقُرْبٰی' کا بیان ہوا ہے۔ 'ذِی الْقُرْبٰی' سے ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت دار مراد ہیں اور قرابت دار بھی ظاہر ہے کہ وہ قرابت دار ہوں گے جن کی کفالت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ذمہ داری عائد ہوتی تھی۔ عام اس سے کہ یہ ذمہ داری عرفی و شرعی نوعیت کی ہو یا اخلاقی نوعیت کی جو ہر کریم النفس سربراہِ خاندان پر خاندان کے غریبوں، محتاجوں اور معذوروں کے متعلق اخلاقاً عائد

ہوتی ہے۔ یہ بات اس وسعت و عمومیت سے نکلتی ہے جو ذوی القربیٰ کے لفظ میں ہے اور یہ بات بھی نکلتی ہے کہ لِذِی الْقُرْبٰی کا یہ حق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی قائم رہنے والا تھا۔ اگر یہ آپ کی حیاتِ مبارک ہی تک محدود ہوتا تو اس کے مستقل ذکر کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔

یتیموں اور مسکینوں کا حق اور اس کی نوعیت

چوتھا حق یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کا ہے۔ ان کا حق بیان کرتے ہوئے اس 'ل' کا اعادہ نہیں فرمایا جو اوپر 'اللہ'، 'رسول' اور 'ذوی القربیٰ' تینوں کے ساتھ الگ الگ لگا ہوا ہے بلکہ ان کا ذکر ذِی القربیٰ کے تحت ہی کر دیا ہے۔ اس سے مقصود اس طبقہ کی تشریف اور عزت افزائی ہے کہ گویا یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذوی القربیٰ ہی کے تحت ہیں۔ جو لوگ اسلامی نظام کے مزاج سے آشنا ہیں وہ جانتے ہیں کہ یتیموں اور مسکینوں کی حیثیت ایک صحیح اسلامی نظام میں سربراہ ریاست کے کنبے کی ہے۔ سربراہ حکومت کو جس طرح اپنے کنبہ کی فکر کرنی پڑتی ہے اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ اس کو یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کی خدمت کرنی پڑتی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا طرزِ عمل اس کی ناقابلِ تردید اور زندۂ جاوید شہادت ہے۔ حضرت عمرؓ نے تو کہیں فرمایا بھی ہے کہ ریاست کے مال میں سے میرا حق بس اتنا ہی ہے جتنا ایک یتیم کے متولی کا حق یتیم کے مال میں سے ہے۔ اس حقیقت کا بھی انھوں نے بار بار اظہار فرمایا کہ مملکت کے ہر یتیم و مسکین اور مسافر کی ذمہ داری براہ راست مجھ پر ہے۔ جس مملکت میں یتیم دھکے کھائیں، مسکین بھوکے سوئیں، مسافر کا کوئی پرسانِ حال نہ ہو اس مملکت کو اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے خواہ وہ اسلام کے کتنے ہی بلند بانگ دعاوی کرے۔

غرباء و فقراء کے اموال کا اجتماعی مقصد

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ جو لوگ 'ل' کو لام تملیک کے معنی میں لے کر غرباء، فقراء، یتامی اور مساکین کی اجتماعی بہبود کے کاموں پر ان کے حصہ کے مال کو خرچ کرنے سے روکتے ہیں، ان کی بات عربیت کے پہلو سے کچھ زیادہ وزن دار نہیں ہے۔ حرف 'ل' عربی میں تملیک ہی کے لیے نہیں آتا بلکہ متعدد معانی کے لیے آتا ہے جن میں سے ایک معروف مفہوم نفع رسانی اور بہبود کا بھی ہے۔ ہم نے اس پر مفصل بحث اپنے ایک مستقل مقالے میں کی ہے۔ ہمارے نزدیک یہ بالکل جائز ہے کہ اسلامی حکومت جن کاموں کو غرباء اور فقراء کی اجتماعی بہبود کے نقطۂ نظر سے مفید پائے ان پر بھی ان کے حصہ کی رقوم جو اس کی تاویل میں آئیں، خرچ کرے۔ انفرادی تملیک ہر حال میں لازمی نہیں ہے۔

اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ۔

غزوہ بدر جانچ کی کسوٹی

'یَوْمَ الْفُرْقَانِ' سے مراد غزوۂ بدر کا دن ہے۔ 'یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ' کے الفاظ سے اس کی وضاحت بھی فرما دی ہے۔ اس لیے کہ وہی پہلا دن تھا جب مسلمانوں اور کفار کے درمیان جماعتی حیثیت سے تصادم ہوا ہے۔ غزوۂ بدر کو 'یوم الفرقان' سے تعبیر کرنے کی وجہ کی طرف ہم اوپر اشارہ کر چکے ہیں۔ قریش کے لیڈروں نے خود اس جنگ کو ایک کسوٹی کی حیثیت دے دی تھی کہ جو اس جنگ میں ہارا وہ باطل پر سمجھا

جائے گا، جو جیسا وہ حق پر پایا جائے گا۔ اس طرح خود انہی کی انتخاب کردہ کسوٹی نے حق و باطل کا فیصلہ کر دیا۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی ہے کہ اس جنگ میں تائیدِ الٰہی گوناگوں شکلوں میں اس طرح بے نقاب ہوئی کہ گویا ہر شخص نے سر کی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ حق کس کے ساتھ ہے اور خدا کس کے پہلو پر ہے۔ وَمَآ اَنۡزَلۡنَا عَلٰی عَبۡدِنَا سے اسی نصرتِ الٰہی کی طرف اشارہ ہے۔

یہ ٹکڑا اوپر والے مضمون ہی کو مؤکد کر رہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تقسیمِ غنیمت کے باب میں یہ حکم جو تمہیں دیا ہے بے چون وچرا اس کی تعمیل کرو، اگر اللہ پر اور اس نصرتِ الٰہی پر تمہارا ایمان ہے جو ہم نے حق و باطل کے درمیان فیصلہ کر دینے والی جنگ میں اپنے بندوں پر اتاری۔ چونکہ روئے سخن ان نکتہ چینوں کی طرف خاص طور سے ہے جنھوں نے اموالِ غنیمت سے متعلق سوال اٹھائے تھے، اس وجہ سے فرمایا کہ اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو، جس سے یہ بات نکلتی ہے کہ اس قسم کے سوالات غمازی کرتے ہیں کہ ابھی تمہارے اندر ایمان راسخ نہیں ہوا ہے۔ یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ یوں نہیں فرمایا کہ اگر تم اس نصرتِ الٰہی پر ایمان رکھتے ہو جو ہم نے تم پر اتاری بلکہ یوں فرمایا کہ اپنے بندے پر اتاری' جس سے یہ بات نکلتی ہے کہ کسی گروہ کو یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ یہ کامیابی جو حاصل ہوئی ہے یہ اس کا کارنامہ ہے۔ یہ جو کچھ ہوا ہے اللہ کی کارسازی اور اس رسول کی برکت سے ہوا ہے جس کی مدد کے لیے اللہ نے اپنی غیبی فوج بھیجی۔ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ نہ اللہ کسی کا محتاج ہے اور نہ اس کا رسول کسی کا دست نگر ہے۔ اللہ جب چاہے گا اپنے رسول کی مدد کے لیے اپنی افواجِ قاہرہ بھیج دے گا۔

اِذۡ اَنۡتُمۡ بِالۡعُدۡوَةِ الدُّنۡيَا وَهُمۡ بِالۡعُدۡوَةِ الۡقُصۡوٰى وَالرَّكۡبُ اَسۡفَلَ مِنۡكُمۡ ؕ وَلَوۡ تَوَاعَدۡتُّمۡ لَاخۡتَلَفۡتُمۡ فِى الۡمِيۡعٰدِ ۙ وَلٰـكِنۡ لِّيَقۡضِىَ اللّٰهُ اَمۡرًا كَانَ مَفۡعُوۡلًا ۙ لِّيَهۡلِكَ مَنۡ هَلَكَ عَنۡۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحۡيٰى مَنۡ حَىَّ عَنۡۢ بَيِّنَةٍ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ (۴۲)

غزوۂ بدر میں خدا کی کارسازی

یہ اللہ تعالیٰ کی اس تدبیر و کارسازی کی ایک مثال بیان ہوئی ہے جس کی طرف اوپر والی آیت میں اشارہ ہوا ہے کہ کس طرح اللہ نے تم کو ٹھیک وقت پر دشمن کے مقابلہ کے لیے محاذِ جنگ پر پہنچا دیا کہ وادی کے ایک سرے پر تم پہنچے، دوسرے سرے پر قریش تھے اور تجارتی قافلہ نیچے ساحلِ سمندر کی طرف سے گزر رہا تھا۔ ہم پیچھے ذکر کر آئے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کی فوج اور قافلہ کی آمد کا نقشہ اللہ تعالیٰ نے رویا میں دکھا دیا تھا۔ اسی رویا کی رہنمائی کے مطابق آپ مدینہ سے نکلے اور ٹھیک اس وقت آپ وادی بدر میں پہنچ گئے جب قریش کی فوج قافلہ کی حفاظت کے بہانے وادی کے دوسرے کنارے پر پہنچی۔ فوج کا دشمن کے مقابلہ کے لیے ٹھیک وقت پر اپنے موقع و محل پر پہنچ جانا کوئی معمولی بات نہیں ہوتی۔ جنگ کا بہت کچھ انحصار اسی پر ہوتا ہے۔ معمولی تاخیر بھی بسا اوقات شکست کے مترادف بن جاتی ہے۔ پھر وقت سے بہت پہلے پہنچنا بھی خطرات اور نقصانات سے خالی

نہیں، اور کچھ نہیں تو مسلمانوں کے لیے رسد کا مسئلہ ہی بڑا مشکل تھا بالخصوص اس زمانے میں جب کہ مسلمان نہتے بھی تھے اور نہایت غریب بھی۔ فریقین اس معاملے میں چالیں بھی بہت سی چلتے ہیں جس سے ان کا مقصود ایک دوسرے کو دھوکہ دینا ہوتا ہے۔ منصوبے کچھ ہوتے ہیں، اعلانِ جنگ اور الٹی میٹم میں ظاہر کچھ کیے جاتے ہیں۔ نشانہ کوئی ہوتا ہے، اشارہ کسی طرف کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس قسم کی تمام چالوں سے محفوظ رکھا اور خاص اپنی رہنمائی میں، ٹھیک وقت پر دشمن کے مقابلہ کے لیے اس مقام پر پہنچا دیا جہاں ان کا پہنچنا ضروری تھا۔ فرمایا کہ یہ حسن اتفاق خدا ساز تھا۔ اگر تم ایک دوسرے کو اعلان اور الٹی میٹم دے کر نکلتے تو یہ اجتماع اس شکل میں آسان نہ ہوتا۔

'وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا'۔ 'لِيَقْضِيَ' سے پہلے فعل محذوف ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے خاص اپنی تدبیر و کارسازی سے تم کو اور تمہارے دشمنوں کو اس طرح ایک دوسرے کے آمنے سامنے اس لیے لاکھڑا کیا کہ وہ بات واقع ہوجائے جس کا واقع ہونا اس کی اسکیم میں طے پاچکا تھا۔

خدا کی اسکیم کے فوائد و مصالح

'لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ' یہ وضاحت ہو رہی ہے خدا کی اسکیم اور اس کے فوائد و مصالح کی۔ مطلب یہ ہے کہ خدا نے چاہا کہ قریش اور مسلمانوں میں ایک ٹکر ہو اور وہ فرقان نمایاں ہوجائے جو حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا واضح کردے تاکہ اس کے بعد جو ہلاکت کی راہ اختیار کریں وہ بھی اتمام حجت کے ساتھ یہ راہ اختیار کریں، جو زندگی کی راہ اختیار کریں وہ بھی ایک روشن دلیل دیکھ کر اختیار کریں۔ ہلاکت اور زندگی سے مراد، ظاہر ہے کہ یہاں روحانی و معنوی ہلاکت اور زندگی ہے۔ حرف 'عن' عربی میں کسی چیز کے منبع و مصدر اور مولد و منشا کا بھی سراغ دیتا ہے۔ بدر کے معرکہ نے اہلِ کفر اور اہلِ ایمان دونوں گروہوں کے سامنے ایک ایسی واضح برہان رکھ دی کہ نہ اہلِ کفر کے لیے کوئی عذر باقی رہ گیا نہ اہلِ ایمان کے لیے کوئی ابہام۔ ان کے لیے ان کا کفر بالکل عریاں ہوکر سامنے آگیا اور اہلِ ایمان کے لیے ان کا ایمان سورج کی طرح چمک اٹھا۔

'وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ' ان صفات کا حوالہ اس پوری اسکیم کے تعلق سے یہاں آیا ہے جو اوپر بیان ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ کہاں تم، کہاں قریش اور کہاں قافلہ لیکن اللہ تعالیٰ نے سب کے بھید معلوم کرلیے، سب کی سرگوشیاں سن لیں اور سب کے ارادے تاڑ لیے اور پھر سب کو اس طرح جمع کرکے وہ بات پوری کرکے دکھادی جو اس نے طے کرلی تھی اس لیے کہ وہ سمیع و علیم ہے۔

اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا ۭ وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (۴۳)

پیغمبر کو رویا میں صورت حال کا مشاہدہ

یہ دوسری مثال بیان ہو رہی ہے اللہ تعالیٰ کی کارسازی کی کہ اس نے پیغمبر کو رویا میں کفار کی فوج کی تعداد تھوڑی سی دکھائی اور پیغمبر نے ایک قلیل التعداد جماعت ہی کی حیثیت سے مسلمانوں کے سامنے اس

کا ذکر بھی کیا، بلکہ جیسا کہ آیت ، میں گزر چکا ہے یہ بھی خوش خبری دے دی کہ یہ قلیل التعداد گروہ مسلمانوں
سے مغلوب ہو جائے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ نے اس لیے کیا کہ اگر ان کو کثیر تعداد میں دکھایا جاتا، جتنے کہ وہ
فی الواقع تھے تو پیغمبرؐ لازماً اسی شکل میں مسلمانوں سے ان کا ذکر بھی کرتے جس کا اثر کمزور مسلمانوں پر یہ پڑتا
کہ وہ ہمت ہار بیٹھتے اور جنگ کرنے اور نہ کرنے کے بارے میں مختلف الرائے ہو جاتے۔ اللہ تعالیٰ چونکہ
دلوں کی کمزوریوں سے اچھی طرح باخبر ہے اس وجہ سے اس نے یہ تدبیر اختیار فرمائی تاکہ مسلمانوں کا حوصلہ
قائم رہے اور وہ کسی کمزوری کے اظہار سے محفوظ رہیں۔

ایک غلط خیال کی تردید

بعض لوگوں نے یہاں سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ کبھی کبھی حضرات انبیاء کو بھی رویا میں کوئی چیز خلاف
واقعہ دکھا دی جاتی ہے۔ چنانچہ قریش کی فوج تعداد میں بہت زیادہ تھی لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ
تھوڑی دکھائی گئی۔ ہمارے نزدیک یہ بات صحیح نہیں ہے۔ رویا وحی کے ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہے اس
وجہ سے پیغمبر کی رویا خلاف واقعہ نہیں ہو سکتی۔ البتہ یہ ہوتا ہے کہ رویا میں کبھی کوئی حقیقت مجاز کے لباس
میں ظاہر ہوتی ہے اور کبھی کسی شے کے ظاہر کے بجائے اس کی معنوی حقیقت کسی پیرایہ میں دکھائی
جاتی ہے۔ یہاں یہی صورت حال ہے۔ کفار کی فوج تعداد میں ہرچند بہت زیادہ تھی لیکن معنوی اور
اخلاقی اعتبار سے اس کی حیثیت بہت کم تھی۔ ان کی یہی معنوی قلت رویا میں قلت تعداد کی شکل میں
ظاہر ہوئی۔ رویا کا یہی پہلو ہے جس کے سبب سے اس میں تاویل کی ضرورت پیش آتی ہے اور اس کی
تاویل میں کبھی کبھی خود نبی کو بھی، وقتی طور پر، کوئی تردد پیش آجاتا ہے لیکن یہ بات بالکل غلط ہے کہ نبی
کی رویا کبھی کبھی خلاف واقعہ ہوتی ہے۔

یہاں یہ بات بھی نگاہ میں رکھنے کی ہے کہ قرآن نے 'قلیل' کا لفظ بہت جچا تلا استعمال کیا ہے
عربی میں لفظ 'قلیل' صرف عددی اور مقداری اعتبار ہی سے قلیل کے لیے نہیں آتا بلکہ معنوی اعتبار سے
بے وزن و بے حقیقت کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ کسی حماسی کا یہ شعر بہت معروف ہے۔

فان اکُ فی شرارکم قلیلا   فانی فی خیارکم کثیر

(اگر میں تمہارے اشرار کی نگاہوں میں کم رتبہ ہوں تو کچھ غم نہیں۔ تمہارے اخیار کی نگاہوں میں میرا بڑا رتبہ ہے)

یہاں ہم اس اشارے پر کفایت کرتے ہیں۔ کسی مناسب مقام پر ہم 'رویا' پر انشاء اللہ مفصل بحث
کریں گے۔

خطاب کی ایک خاص نوعیت

'فَشِلْتُمْ' اور 'تَنَازَعْتُمْ' میں خطاب اگرچہ عام ہے لیکن اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ یہ مسلمانوں
کے پورے گروہ سے متعلق ہے بلکہ یہ قرآن کے معروف اسلوب بیان کے مطابق عام الفاظ میں مسلمانوں کے اس
مخصوص گروہ کے کردار کی طرف اشارہ ہے جس کا ذکر سورہ کے آغاز سے چلا آرہا ہے۔ آیت ، کے تحت جس
گروہ کا یہ حال بیان ہوا ہے کہ یہ جانتے بوجھتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ نکلنا قریش کی فوج کے مقابل

کے لیے ہے، وہ کوشش کرتا رہا کہ آپ قافلہ کا رخ کریں اور آنحضرتؐ کی طرف سے اس بشارت کے باوجود کہ جس سے مقابلہ ہونا ہے وہ ہم سے شکست کھائے گا، وہ اس طرح لرزہ براندام رہا کہ گویا اسے موت کے منہ میں لے جایا جا رہا ہے۔ اسی گروہ کی طرف کلام کا رخ یہاں بھی ہے۔ جن کے حوصلہ کا یہ حال ہو، ظاہر ہے کہ اگر وہ پہلے سے کہیں یہ سن پاتے کہ مقابلہ لشکر سے ہے اور وہ بھی ایک کثیر التعداد لشکر سے تو ان کے تو دل ہی بیٹھ جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں لوگوں کی رعایت سے دشمن کی فوج کی عددی حیثیت کی بجائے اس کی معنوی حیثیت ان کے سامنے رکھی۔

اس امر پر بھی یہاں نگاہ رہے کہ 'یریک'، 'منامک'، 'اراک'، سب میں خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس لیے ہے کہ رویا میں جو کچھ دکھایا گیا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو دکھایا گیا۔ نبی اہل ایمان کے لیے بمنزلۂ دل اور آنکھ کے ہوتا ہے اس وجہ سے دیکھتا تو وہی ہے لیکن وہ جو کچھ دیکھتا ہے اس کا تعلق سب سے ہوتا ہے۔ اس وجہ سے جہاں تک دیکھنے کا تعلق ہے اس کو تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی تک محدود رکھا ہے لیکن اس کے ردعمل کے ذکر میں تمام مسلمانوں کو شامل کر لیا ہے۔

وَاِذۡ یُرِیۡکُمُوۡهُمۡ اِذِ الۡتَقَیۡتُمۡ فِیۡۤ اَعۡیُنِکُمۡ قَلِیۡلًا وَّیُقَلِّلُکُمۡ فِیۡۤ اَعۡیُنِهِمۡ لِیَقۡضِیَ اللّٰهُ اَمۡرًا کَانَ مَفۡعُوۡلًا ؕ وَاِلَی اللّٰهِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ (۴۴)

اللہ تعالیٰ کی ایک اور کارسازی

یہ اللہ تعالیٰ اسی سلسلہ کی اپنی ایک اور کارسازی بیان فرما رہا ہے کہ جب دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابل میں ہوئیں تو ابتدائی مرحلہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی نظروں میں کفار کے لشکر کو کم کر کے دکھایا اور کفار کی نظروں میں مسلمانوں کو کم کر کے دکھایا تاکہ دونوں میں سے کوئی فریق بھی ٹکر لینے میں خوف نہ کھائے اور وہ معرکہ ہو کے رہے جو حق و باطل کے درمیان فیصلہ کر دے اور جس کا واقع ہونا اللہ تعالیٰ کی اسکیم میں طے ہو چکا ہے۔

کفار کی نگاہوں میں مسلمانوں کا کم نظر آنا تو اس لیے تھا کہ ان کی ظاہر بین آنکھوں کو مسلمانوں کی صرف عددی حیثیت نظر آئی، اس کی معنوی و اخلاقی قوت و حیثیت ان کی نگاہوں سے اوجھل رہی۔ حالانکہ یہی قلیل التعداد فوج بعد کے مرحلہ میں، جیسا کہ ہم دوسرے مقام میں واضح کر چکے ہیں، معرکہ کارزار گرم ہو جانے کے بعد، ان کو ایک طوفان کی شکل میں نظر آئی اس لیے کہ اس وقت مسلمانوں کی معنوی و روحانی حیثیت پوری طرح نمایاں ہو کر سامنے آگئی۔

جنگ کے دوران کی ایک نفسیاتی حقیقت

مسلمانوں کی نگاہوں میں کفار کے ان کی عددی اکثریت کے باوجود کم نظر آنے کی وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر ان کی معنوی و اخلاقی حیثیت بے نقاب کر دی۔ نگاہ بہت بڑی حد تک دل کے تابع ہوتی ہے۔ اگر دل میں حوصلہ اور امنگ ہو، ایمان و اعتماد ہو، جزم و یقین ہو، مقصد کی صداقت اور اس کے لیے مرمٹنے کا جذبہ صادق ہو تو سامنے پہاڑ بھی ہو تو ایک تودۂ ریگ کی شکل میں نظر آتا ہے اور اگر دل ان چیزوں سے

خالی ہو تو آدمی گلہری کو پہاڑ اور بکری کو شیر سمجھنے لگتا ہے۔ آدمی سے زیادہ طاقت ور اور آدمی سے زیادہ ناتواں، کوئی بھی نہیں ہے اور اس طاقت اور ناتوانی دونوں کا سرچشمہ خارج میں نہیں بلکہ اس کے باطن ہی میں ہے۔ مادیت کے اس دور میں لوگوں کو یہ باور کرانا آسان نہیں کہ سو مسلمان اپنے آپ کو کسی زمانہ میں ہزار کفار پر بھاری سمجھتے تھے لیکن ہے یہ واقعہ اور تاریخ اس پر شاہد ہے اور آج بھی ہر شخص اس کا تجربہ کر سکتا ہے اگر وہ ایمان کی حلاوت سے آشنا ہو جائے۔

وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ سررشتہ سارے معاملات کا اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ کم دکھانا اور زیادہ دکھانا، جتانا اور ہرانا، بڑھانا یا گھٹانا جو کچھ بھی ہوتا ہے اصلاً خدا ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔ آدمی کا کام یہ ہے کہ وہ اپنا فرض ادا کرے، باقی سب خدا پر چھوڑ دے۔ اس غلط فہمی میں کبھی مبتلا نہ ہو کہ وہ خدا سے بے نیاز ہو کر بھی کچھ بنا یا بگاڑ سکتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (۴۵-۴۶)

جنگ کے باب میں مومنین کو ہدایات

یہ آگے کے مراحل کے لیے ہدایت دی جا رہی ہے کہ جب تمہارا کفار کے کسی گروہ سے مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو بہت زیادہ یاد کرو تاکہ فلاح پاؤ۔ ثابت قدمی اس لیے ضروری ہے کہ اللہ کی نصرت ہمیشہ اسباب کے پردے سے ظاہر ہوتی ہے۔ یہ دنیا بندوں کے لیے امتحان گاہ ہے۔ جب بندے اپنی صلاحیت کا ثبوت دیتے ہیں تو اس کے پردے میں اللہ کی نصرت ظاہر ہوتی ہے۔ بندوں کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ بنی اسرائیل کی طرح خدا کا امتحان کریں کہ خود تو گھروں میں بیٹھے رہیں اور خدا سے یہ امید کریں کہ وہ فتح کر کے کنجیاں ان کے حوالے کر دے۔ تب وہ شہر میں داخل ہوں گے۔

ثابت قدمی کا ذریعہ اللہ کی یاد ہے

اللہ کا ذکر ثابت قدمی کا ذریعہ ہے۔ اوپر ہم ذکر کر چکے ہیں کہ اصل قوت دل کی قوت ہے اور دل کو قوت ایمان سے حاصل ہوتی ہے۔ یہاں یہ بتایا جا رہا ہے کہ ایمان سرسبز و شاداب، ذکر الٰہی کی جھڑی سے رہتا ہے۔ یہ ذکر الٰہی یوں تو سانس کی طرح ہر وقت ایمانی زندگی کے لیے ضروری ہے اس لیے کہ انسان ہر وقت شیطان سے نبرد آزما ہے لیکن حالات زیادہ صبر آزما ہوں تو یہ ذکر بھی زیادہ مقدار میں مطلوب ہوگا۔ اسی وجہ سے یہاں کثیرا کی قید لگی ہوئی ہے۔

حصول فلاح کا ذریعہ

لفظ فلاح، ایک جامع لفظ ہے۔ یہ دنیا اور آخرت دونوں کی کامیابی پر مشتمل ہے۔ مجرد غلبہ تو ہو سکتا ہے کہ بغیر ذکر الٰہی کے بھی حاصل ہو جائے لیکن وہ فلاح کا ذریعہ نہیں ہو سکتا۔ فلاح اسی غلبہ سے حاصل ہوگی جس کا دروازہ ذکر الٰہی کی مدد سے کھلے اور جس میں غلبہ حاصل کرنے والوں کو خدا کی معیت حاصل ہو۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ کسی فوج کی ثابت قدمی میں اصلی عامل کی حیثیت ہمیشہ اس کے حوصلہ ہی کو حاصل ہوتی

ہے۔ اس چیز کی اہمیت جس طرح پہلے تسلیم کی گئی ہے اسی طرح آج بھی تسلیم کی جاتی ہے۔ اسلام نے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کے لیے حوصلہ برقرار رکھنے کا ذریعہ ذکر الٰہی کو بتایا ہے اور حق یہ ہے کہ مومن کے اندر عزم اور حوصلہ کا سرچشمہ یہی چیز ہے۔

اطاعتِ اللہ رسول کا ایک خاص مفہوم

'وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ' یہاں اللہ اور رسول کی اطاعت کے عام مفہوم کے سوا اس کا ایک خاص مفہوم بھی پیش نظر ہے۔ یعنی دشمن کے مقابل میں کامل نظم اور کامل ڈسپلن کا ثبوت دو۔ جو حکم اللہ نے دیے ہیں ان کی بھی پوری اطاعت کرو اور جو حکم رسول دے اس کی بھی بے چون و چرا تعمیل کرو۔ جس طرح دل ذکر الٰہی سے محروم ہو تو اس میں انتشار برپا ہو جاتا ہے اسی طرح جماعت اگر اطاعت میں ڈھیلی ہو تو جماعت کا نظم درہم برہم ہو جاتا ہے اور پھر اس کی ہوا اکھڑ جاتی ہے۔

نظم اور ڈسپلن کی پابندی

'وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِیْحُکُمْ' اسی بات کو منفی پہلو سے واضح فرمایا کہ اللہ و رسول کے دیے ہوئے احکام سے اختلاف نہ کرنا ورنہ جماعت میں انتشار برپا ہوگا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ تمھارے حوصلے پست ہو جائیں گے اور تمھاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ یہی وہ ہدایت ہے جس کی غزوہ احد کے موقع پر ایک جماعت نے خلاف ورزی کی اور اس کا تلخ نتیجہ پوری جماعت کو بھگتنا پڑا۔ قرآن نے آل عمران میں اسی کا حوالہ دیا ہے۔ حَتّٰٓی اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ وَعَصَیْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىکُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۱۵۲ (یہاں تک کہ جب تم حوصلہ ہار بیٹھے اور تم نے نبی کے حکم میں اختلاف کیا اور تم نے نافرمانی کی بعد اس کے کہ اللہ نے تمھیں وہ چیز دکھا دی تھی جس کو تم عزیز رکھتے تھے)

خدا کی معیت حاصل ہونے کی شرط

'وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ' وہی بات جو اوپر 'فَاثْبُتُوْا' کے لفظ سے فرمائی ہے یہاں 'وَاصْبِرُوْا' کے لفظ سے فرمائی ہے۔ البتہ اوپر والی بات افراد کو پیش نظر رکھ کر فرمائی گئی ہے اور یہ جماعت کو پیش نظر رکھ کر ارشاد ہوئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خدا کی مدد و نصرت اور اس کی معیت کے طالب ہو تو اپنے جماعتی کردار سے اس کا استحقاق پیدا کرو۔ خدا منتشر بھیڑ کا ساتھ نہیں دیتا بلکہ ان لوگوں کا ساتھ دیتا ہے جو اس کی راہ میں جہاد کے لیے بنیان مرصوص بن کر کھڑے ہوں۔

وَلَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِہِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ؕ وَاللّٰہُ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ ۝ وَاِذْ زَیَّنَ لَہُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَہُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَکُمُ الْیَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّیْ جَارٌ لَّکُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَکَصَ عَلٰی عَقِبَیْہِ وَقَالَ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْکُمْ اِنِّیْٓ اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰہَ ؕ وَاللّٰہُ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۝ (۴۷-۴۸)

(وَلَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِہِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ)

بطر کا مفہوم

'بطر' کے معنی حق سے اکڑنے اور اس سے متکبرانہ منہ موڑنے کے ہیں۔ قرآن نے اس سے اس بدمستی اور سرکشی کو تعبیر فرمایا ہے جو اللہ کی نعمتیں پا کر کسی شخص یا گروہ پر طاری ہو جاتی ہے اور وہ شکر اور

تواضع کے بجائے غرور اور طغیان میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ سورہ قصص میں ہے وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۢ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۵۸ (اور کتنی بستیوں کو ہم نے ہلاک کر دیا جو اپنے وسائل معیشت کی فراوانی پر اکڑنے لگی تھیں)

اہل ایمان کی جنگ بھی عبادت ہے

یہ قرآن نے اس روش کے منافی روش سے مسلمانوں کو روکا ہے جس کی تعلیم اوپر والی آیت میں وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا کے الفاظ سے دی ہے۔ 'كَالَّذِيْنَ' سے اشارہ قریش کی طرف ہے جو جنگ بدر کے لیے، جیسا کہ ہم پیچھے اشارہ کر آئے ہیں، اپنی کثرت تعداد اور اسباب و وسائل کی بہتات کے گھمنڈ میں بڑے طنطنہ اور بڑے طمطراق سے نکلے تھے۔ فرمایا کہ کسی مرحلے میں بھی ان لوگوں کی روش تم نہ اختیار کرنا۔ تم خدا کی بندگی و اطاعت کی رسم دنیا میں قائم کرنے اٹھے ہو تو بندگی کی تواضع اور عبدیت کی فروتنی ہر جگہ تم پر نمایاں رہے۔ خواہ بزم میں ہو یا رزم میں۔ اگرچہ مقصود یہاں مسلمانوں کو یہ بتانا ہے کہ تمہاری جنگ جنگ نہیں بلکہ خدا کی عبادت ہے، اس کی شان عبادت ہر جگہ قائم رہے لیکن اس سے یہ بات بھی سامنے آگئی کہ آیندہ مسلمانوں کے سامنے ایسے حالات آنے والے ہیں کہ اگر وہ چوکنے نہ رہے تو وہ بھی اس قسم کے فتنوں میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔ گویا یہ ایک بشارت بھی ہے اور ساتھ ہی تنبیہ بھی کہ ہمیشہ خدا ہی سے وابستہ رہنا، تعداد اور سامان کی فراوانی جب حاصل ہو جائے تو اس کے غرے میں اترانے نہ لگنا۔ اصل چیز سر و سامان نہیں بلکہ خدا کی کارسازی اور اس کی معیت ہے۔

یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ جس طرح 'وَلَا تَنَازَعُوْا' کی ہدایت کی ایک گروہ نے خلاف ورزی کر کے، جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا، جنگ احد میں پوری جماعت کے لیے ایک سخت آزمائش پیدا کر دی، اسی طرح جنگ حنین کے موقع پر کثرت تعداد کے اعتماد نے مسلمانوں کو ایک سخت آزمائش سے دوچار کر دیا جس کی طرف قرآن نے یوں اشارہ فرمایا ہے وَيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۲۵۔ توبہ (اور حنین کے دن جب کہ تمہاری کثرت نے تمہیں غرور میں مبتلا کیا تو وہ کثرت تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین اپنی وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی، پھر تم پیٹھ پیچھے بھاگے)

ریا اور نمائش سے احتراز کی ہدایت

'رِئَآءَ النَّاسِ' سے قریش کے اس جذبۂ نمائش کی طرف اشارہ ہے جس سے ایک ایک سردار بدر کے موقع پر سرشار تھا۔ اس کا ضد اللہ کے لیے اخلاص ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تم جو کچھ کرنا ہمیشہ اللہ کے لیے کرنا اس لیے کہ تمہیں اپنے کسی عمل کی داد دنیا سے نہیں لینی ہے بلکہ آخرت میں اپنے رب سے لینی ہے۔

'وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ' یعنی ان کا یہ سارا طمطراق اور سارا جوش و خروش اس لیے تھا کہ وہ اللہ کے بندوں کو اللہ کی راہ سے روکیں۔ ان نادانوں کو پتہ نہیں کہ انسان خواہ کتنی وسعت اور پھیلاؤ کے ساتھ اپنے جال پھیلائے اور اپنی ترکتازیوں کے کتنے ہی مظاہرے دکھائے، اس کی ہر چیز ہر وقت خدا کی مٹھی میں ہے۔ اس کی ساری جولانیوں کے اردگرد خدا نے باڑ لگا رکھی ہے

وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ الآیۃ۔ یعنی قریش کے اس بطر و ریا کے مظاہرے میں تعداد اور وسائل کی کثرت کو تو دخل تھا ہی، شیطان نے بھی جس کو اللہ کی راہ مارنے کے کام ہی کے لیے مہلت ملی ہوئی ہے، ان کو پٹی پڑھائی کہ شاباش، آگے بڑھو، بھلا آج کس میں دم ہے کہ تمہارا مقابلہ کر سکے، میں تمہارا ساتھی اور مددگار ہوں لیکن وہ اس وقت تک تو ان کی پیٹھ ٹھونکتا رہا جب تک دونوں فوجیں آمنے سامنے نہیں ہوئیں لیکن جب فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو وہ دم دبا کر پیچھے کھسک گیا کہ میں تم سے بری، میں کچھ اور دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ رہے ہو۔ مجھے اللہ سے ڈر لگتا ہے۔

جنگ بدر میں یہود کی ریشہ دوانیاں

شیطان کے متعلق ہم دوسرے مقام میں واضح کر چکے ہیں کہ یہ جنوں میں سے بھی ہوتے ہیں اور انسانوں میں سے بھی یہاں ہمارا ذہن بار بار اس طرف جاتا ہے کہ اس سے اشارہ یہود کی طرف ہے۔ سیرت و مغازی کی کتابوں سے بھی اور قرآن کے اشارات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہود شروع ہی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت سے خائف تھے۔ ابھی آپ مکہ ہی میں تھے کہ انھوں نے طرح طرح سے آپ کے خلاف قریش کو اکسانا شروع کر دیا، مدینہ ہجرت فرمانے اور آپ کو انصار کی حمایت حاصل ہو جانے کے بعد تو خاص طور پر انھوں نے یہ محسوس کرنا شروع کر دیا کہ ان کے سینہ پر پتھر کی ایک بھاری سل رکھ دی گئی ہے۔ مستقبل کے سیاسی اندیشوں کے علاوہ وہ خود اپنے صحیفوں کی پیشین گوئیوں کی بنا پر بھی ڈرتے تھے کہ مبادا یہ وہی پیغمبر ہوں جس کا ذکر ان کے ہاں پہلے سے چلا آ رہا ہے۔ وہ اپنی قوم سے باہر کسی نبوت و رسالت کو تسلیم کرنے کے لیے کسی قیمت پر بھی تیار نہیں تھے لیکن اپنی بزدلی کے سبب سے وہ آپ کے خلاف براہِ راست کوئی اقدام کرنے کی جرأت بھی نہیں کر سکتے تھے۔ البتہ درپردہ وہ قریش کے لیڈروں کو بھی برابر اکساتے رہے اور مدینہ میں اوس و خزرج کے اندر بھی سازباز کرتے رہے۔ ایسے حالات میں یہ بات بالکل قرین قیاس ہے کہ قریش نے قافلہ کی حفاظت کے بہانے جب مدینہ پر حملہ کی اسکیم بنائی تو اس میں یہود کا مشورہ بھی شامل رہا ہو اور انھوں نے قریش کو ورغلایا ہو کہ اول تو تمہاری بھاری جمعیت خود ہی مٹھی بھر مسلمانوں کو کچل دینے کے لیے کافی ہے لیکن ضرورت ہوئی تو ہم بھی تمہاری مدد کو حاضر ہیں۔ اگرچہ یہود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک معاہدے میں بھی شریک تھے لیکن آگے اسی سورہ کی آیات ۵۶ - ۵۷ کے تحت یہ بات واضح ہو جائے گی کہ انھوں نے اس کا کبھی پاس و لحاظ نہیں رکھا بلکہ برابر ریشہ دوانیوں میں مصروف رہے۔ البتہ اپنی روایتی بزدلی کے سبب سے انھوں نے سامنے آنے کی جرأت کبھی نہیں کی۔ اس موقع پر بھی انھوں نے قریش کو بڑھاوے تو بہت دیے لیکن جب دونوں فریق ایک دوسرے کے مقابل میں آ گئے اور انھوں نے مسلمانوں کے حوصلہ کو دیکھا تو دم سادھ کر بیٹھ رہے۔ اس موقع پر ان کے اندر سمایا ہوا وہ خوف بھی نمایاں ہوا ہوگا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت سے متعلق وہ اپنے دلوں میں رکھتے تھے اور جن کی نسبت ان کے صحیفوں کے ذریعے سے ان کے کانوں میں یہ بات پڑی ہوئی تھی

کہ ان کے جلو میں ملائکہ اور کروبیوں کی فوجیں ہوں گی۔ وہ بات بھی یہاں یاد رکھیے جس کا ذکر ہم سورۂ بقرہ میں کر آئے ہیں کہ بدر کی لڑائی، اپنے نقشۂ جنگ، اپنی تعداد اور مقصد کے اعتبار سے بنی اسرائیل کی اس جنگ سے مشابہ تھی جو سموئیل نبی کے عہد میں، طالوت کی زیرِ قیادت جالوت سے لڑی گئی تھی۔

منافقین کی زیرکاریاں

قرآن نے یہاں جو تمثیل یہود کی دی ہے بعینہٖ یہی تمثیل ان منافقین کے لیے بھی استعمال کی ہے جو یہود ہی کے اندر کے تھے بھی اور مسلمانوں کے اندر گھس کر یہود سے ساز باز بھی رکھتے تھے۔ یہ ان کو اطمینان دلاتے تھے کہ اگر مسلمانوں نے ان کے خلاف کوئی اقدام کیا تو وہ مسلمانوں کے بجائے ان کا ساتھ دیں گے لیکن قرآن نے واضح کیا کہ یہ ویسا ہی فریب ہے جیسا شیطان ان لوگوں کو دیا کرتا ہے جو اس پر بھروسہ کرتے ہیں۔ چونکہ ان دونوں تمثیلات میں بڑی مشابہت ہے اس وجہ سے ہم اس کو یہاں نقل کرتے ہیں تاکہ اس کی روشنی میں زیرِ بحث تمثیل اچھی طرح واضح ہو جائے۔ سورۂ حشر میں منافقین کے ایک گروہ کا، جو یہود میں سے تھا، یہ کردار بیان ہوا ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نَافَقُوا يَقُولُونَ لِإِخْوَانِهِمُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَئِنْ أُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيعُ فِيكُمْ أَحَدًا أَبَدًا وَإِنْ قُوتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۝ لَئِنْ أُخْرِجُوا لَا يَخْرُجُونَ مَعَهُمْ وَلَئِنْ قُوتِلُوا لَا يَنْصُرُونَهُمْ وَلَئِنْ نَصَرُوهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُونَ۔ ۱۱-۱۲ حشر

کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو منافق ہیں، وہ اپنے ان بھائیوں سے جنھوں نے اہل کتاب میں سے کفر کیا، کہتے ہیں کہ اگر تم نکالے گئے تو ہم بھی تمھارے ساتھ نکلیں گے اور تمھارے بارے میں ہم کسی کی بھی کوئی بات نہیں مانیں گے اور اگر تم سے جنگ کی گئی تو ہم تمھاری مدد کریں گے۔ اللہ شاہد ہے کہ یہ بالکل جھوٹے ہیں۔ اگر وہ نکالے گئے تو یہ ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے اور اگر ان سے جنگ ہوئی تو یہ ان کی مدد نہیں کریں گے۔ اور اگر مدد کریں گے تو منہ کی کھائیں گے۔ پھر ان کی مدد کہیں سے نہیں ہوگی۔

پھر ان منافقین کی تمثیل ان الفاظ میں دی ہے۔

كَمَثَلِ الشَّيْطَانِ إِذْ قَالَ لِلْإِنْسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِنْكَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ ۝ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَا أَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيهَا وَذَلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ ۝ (۱۶-۱۷ حشر)

ان منافقین کی مثال شیطان کی ہے جو انسان سے کہتا ہے کہ کفر کر پھر جب وہ کفر کر بیٹھتا ہے تو کہتا ہے کہ میں تجھ سے بری ہوں۔ میں اللہ، عالم کے خداوند سے ڈرتا ہوں۔ تو ان دونوں کا انجام یہ ہے کہ وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے اور یہی ظالموں کی سزا ہے۔

جس طرح یہاں یہودی منافقین کی تمثیل شیطان سے دی ہے اسی طرح زیرِ بحث آیت میں اگرچہ ذکر

شیطان کا ہے لیکن اشارہ یہود کی طرف ہے۔ تمثیل کے بجائے اشارہ وکنایہ کی صورت اس لیے اختیار فرمائی کہ یہود کی یہ ساری کارستانیاں ابھی پردے میں تھیں اس وجہ سے قرآن نے بھی یہ چاہا کہ ابھی بات پردے ہی میں رہے لیکن اشاروں کنایوں میں نقاب کے بعض گوشے اٹھا بھی دیے کہ یہود بھی جان لیں کہ اللہ ان کے کارناموں سے بے خبر نہیں ہے اور مسلمان بھی متنبہ ہو جائیں کہ اس پردے میں کون چھپا ہوا ہے۔ یہاں خاص طور پر لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَإِنِّي جَارٌ لَّكُمْ، إِنِّي أَرَىٰ مَا لَا تَرَوْنَ اور بعض دوسرے فقروں پر غور فرمائیے تو اصل حقیقت واضح ہو جائے گی۔

یہود کے باطن کی تعبیر

شیطان کے متعلق یہ بات جو بیان ہوئی ہے کہ وہ انسان کو کفر پر اکسا کر خود یہ کہہ کر کنارہ کش ہو جاتا ہے کہ 'میں تم سے بری ہوں' میں اللہ رب العلمین سے ڈرتا ہوں، یہ اس کے رویہ اور اس کے باطن کی تعبیر ہے، یہ بات شیطان زبان سے کسی کفر کرنے والے سے نہیں کہتا۔ اسی طرح یہاں یہود کے متعلق جو یہ بات بیان ہوئی ہے کہ قَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِّنكُمْ، إِنِّي أَرَىٰ مَا لَا تَرَوْنَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ، یہ ان کے رویے اور ان کے ذہن کی تعبیر ہے، یہ نہیں ہے کہ انھوں نے یہ بات قریش سے الفاظ میں کہی ہو۔ قرآن نے جگہ جگہ قَالَ کا لفظ اس بات کے لیے بھی استعمال کیا ہے جو آدمی اپنے دل میں کہتا ہے۔ یہود اپنے جوش حسد سے اندھے ہو کر یہ تو دل سے چاہتے تھے کہ قریش محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو ختم کر دیں لیکن دل میں چونکہ یہ چور بھی تھا کہ یہ اللہ کے رسول ہیں، ان سے ٹکرانا پہاڑ سے ٹکرانا اور اپنے آپ کو تباہ کرنا ہے اس وجہ سے خود سامنے آنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ چاہتے تھے کہ یہ خطرہ کوئی اور مول لے۔

یہود کا شیطانی تقویٰ

یہاں یہ حقیقت بھی واضح ہوئی کہ دوسروں کو کسی جرم پر آمادہ کر دینا اور خود مجرموں کے ساتھ اس جرم کے لیے اس اندیشے سے نہ نکلنا کہ کسی لپیٹ میں نہ آ جائیں یہ شیطانی تقویٰ ہے۔ قرآن نے اوپر واضح فرما دیا کہ جو جرم کے لیے دوسروں کی پیٹھ ٹھونکتے ہیں لیکن خود اس میں اس خوف سے شریک نہیں ہوتے کہ خدا کی پکڑ میں نہ آ جائیں ان کا یہ خوف ان کو خدا کے عذاب سے نہیں بچائے گا بلکہ جس طرح جرم کے اکھاڑے میں اترنے والے جہنم میں جھونک دیے جائیں گے اسی طرح اکھاڑے کے کنارے بیٹھ کر داؤں پیچ بتانے والے بھی جہنم میں جھونک دیے جائیں گے اگرچہ بزعم خود وہ خدا کے ڈر سے اکھاڑے میں نہیں اترے۔ ان لوگوں کی مثال اس شخص کی ہے جو دوسروں کو تو چوری اور بدمعاشی کی تربیت دیتا ہے لیکن خود اپنے تربیت دیے ہوئے چوروں اور بدمعاشوں کے ساتھ چوری اور بدمعاشی کے لیے اس ڈر سے نہیں نکلتا کہ کہیں پولیس کی گرفت میں نہ آ جائے۔ ظاہر ہے کہ قانون کے ایسے احترام کرنے والوں کو کوئی قانون نہیں بخشتا بلکہ جب یہ زد میں آ جاتے ہیں تو یہ بھی اپنے مریدوں ہی کے انجام سے دوچار ہوتے ہیں بلکہ ان پر کچھ زیادہ مار پڑتی ہے۔ یہی بات قرآن نے فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَا أَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيهَا والی آیت میں فرمائی ہے جو سورۂ حشر کے حوالے سے ہم نے اوپر نقل کی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہود بھی مسلمانوں کے معاملے میں اسی شیطانی تقویٰ

میں مبتلا تھے۔ وہ یہ تو دل سے چاہتے تھے کہ مسلمان تباہ کر دیے جائیں، اس مقصد کے لیے وہ قریش کو چڑھا بھی لائے لیکن خود قریش کے ساتھ میدان جنگ میں اترنے کے لیے تیار نہ ہوئے اس لیے کہ اس خدائی فوج اور پولیس کا بھی ان کو ڈر لگا ہوا تھا جس کا اشارہ اِنِّیْٓ اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ سے نکلتا ہے۔

اِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِیْنُهُمْ ؕ وَمَنْ یَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ (۴۹)

منافقین کے طعنے

سورۂ بقرہ کی تفسیر میں ہم واضح کر چکے ہیں کہ لفظ 'مَرَض' جب نفاق کے ساتھ استعمال ہوتا ہے تو اس سے مراد حسد ہوتا ہے۔ یہود کی ریشہ دوانیوں کے بعد اب یہ منافقین اور حاسدین کی حوصلہ شکنیوں کا ذکر فرمایا کہ انھوں نے بھی اس موقع پر مسلمانوں کا حوصلہ پست کرنے کے لیے یہ کہنا شروع کیا کہ ان لوگوں کو ان کے دین نے خبط میں مبتلا کر دیا ہے۔ ہیں تو مٹھی بھر، مقابلہ کرنے اٹھے ہیں قریش کی دل بادل فوج سے۔ یہ ہاتھی سے گنا کھانے چلے ہیں۔ مذہب کے خبط نے ان کو ہوش و خرد سے عاری کر دیا ہے۔ اس قسم کے فقرے اور طعنے بالخصوص جب کہ اپنے اندر ہی کے لوگوں کی زبان سے نکلیں اور حالات بھی بے سروسامانی اور قلت تعداد کے اعتبار سے وہ ہوں جو بدر کے موقع پر تھے تو ان کے اثرات بہت خطرناک ہو سکتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے زہر سے مسلمانوں کو محفوظ رکھا۔

'وَمَنْ یَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ' مطلب یہ ہے کہ ان منافقین و حاسدین کے علی الرغم جو لوگ اللہ پر بھروسہ کر کے اٹھ کھڑے ہوئے انھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ خدا غالب اور حکیم ہے۔ وہ اپنے اوپر بھروسہ کرنے والوں کا خود ساتھی بنتا ہے، اس کی قوت کو کوئی شکست نہیں دے سکتا، وہ ان کے لیے خود تدبیر فرماتا ہے اور اس کی تدبیر کے مقابل میں کسی کی تدبیر کارگر نہیں ہوتی۔

۱۰۔ آگے کا مضمون ——— آیات ۵۰-۵۸

آگے یہ واضح فرمایا کہ یہ مار جو ان پر پڑی اسی پر بس نہیں ہے۔ اصل سزا جو انھیں ملنی ہے اس کا مرحلہ تو آگے آنے والا ہے، جب یہ موت سے دوچار ہوں گے۔ یہ مار تو محض (بطور) تنبیہ ہے۔ سنتِ الٰہی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو اپنی بخشی ہوئی نعمتوں سے محروم نہیں کرتا جب تک وہ خود اپنی روش بگاڑ نہ لے۔ جب کوئی قوم اپنی روش بگاڑ لیتی ہے تو پہلے اللہ اس کو تنبیہ فرماتا ہے۔ جب وہ تنبیہ سے کوئی سبق نہیں لیتی بلکہ اپنی سرکشی میں بڑھتی جاتی ہے تو پھر اس پر خدا کا فیصلہ کن عذاب آ جاتا ہے۔ قوم فرعون کے ساتھ اللہ نے جو معاملہ کیا وہ ان کے لیے مثال ہے۔ پہلے اللہ تعالیٰ نے ان کو مختلف آزمائشوں میں پکڑا کہ وہ آنکھیں کھولیں لیکن جب انھوں نے آنکھیں نہیں کھولیں تو خدا نے ان کا بیڑا غرق کر دیا۔

اس کے بعد یہ واضح فرمایا کہ خدا کے نزدیک سب سے زیادہ ناپاک وجود ان لوگوں کا ہے جو کفر پر اڑ

گئے ہیں اور ایمان لانے والے نہیں ہیں جو تم سے معاہدہ کر کے بار بار اپنے معاہدہ کو توڑتے ہیں ۔ اگر یہ کسی جنگ میں تمھارے مقابل میں آئیں تو ان کو ایسی مار مارو کہ جو ان کی پشت پناہی کر رہے ہیں ان کو بھی سبق مل جائے اور ان میں سے جس کی طرف سے بھی اب معاہدہ کی خلاف ورزی کا اندیشہ ہو اس کا معاہدہ اس کے منہ پر پھینک مارو، خدا ایسے بدعہدوں کو پسند نہیں کرتا۔ آیات کی تلاوت فرمائیے ۔

آیات ۵۰ - ۵۸

وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ یَتَوَفَّى الَّذِیْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰٓىٕكَةُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ اَدْبَارَهُمْ ۚ وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ ﴿۵۰﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْكُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ﴿۵۱﴾ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۵۲﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ یَكُ مُغَیِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۵۳﴾ ۙ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَ اَغْرَقْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَ كُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِیْنَ ﴿۵۴﴾ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۵﴾ ۖۚ اَلَّذِیْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِیْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّ هُمْ لَا یَتَّقُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِی الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ یَذَّكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَ اِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِیَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَیْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْخَآىِٕنِیْنَ ﴿۵۸﴾ ع

ترجمہ آیات ۵۰ - ۵۸

اور اگر تم دیکھ پاتے جب فرشتے ان کفر کرنے والوں کی روحیں قبض کرتے ہیں مارتے

ہوئے ان کے چہروں اور ان کی پیٹھوں پر، اور یہ کہتے ہوئے کہ اب چکھو مزا جلنے کے عذاب کا۔ یہ تمھارے اپنے ہی ہاتھوں کی کرتوت ہے اور اللہ بندوں پر ذرا بھی ظلم کرنے والا نہیں۔ ۵۰-۵۱

ان کے ساتھ وہی معاملہ ہوا جو قوم فرعون اور ان لوگوں کے ساتھ ہوا جو ان سے پہلے گزرے۔ انھوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا تو اللہ نے ان کو ان کے گناہوں کی پاداش میں پکڑا۔ بے شک اللہ قوی، سخت پاداش والا ہے۔ یہ اس وجہ سے ہوا کہ اللہ اس انعام کو جو وہ کسی قوم پر کرتا ہے اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ اس چیز کو نہ بدل ڈالے جس کا تعلق خود اس سے ہے اور بے شک اللہ سننے والا، جاننے والا ہے۔ ان کے سامنے وہی معاملہ ہے جو آلِ فرعون اور ان لوگوں کو پیش آیا جو ان سے پہلے گزرے۔ انھوں نے اپنے رب کی آیتوں کی تکذیب کر دی تو ہم نے ان کو ان کے گناہوں کی پاداش میں ہلاک کر دیا اور آلِ فرعون کو غرق کر دیا اور یہ سارے کے سارے ظالم تھے۔ ۵۲-۵۴

بے شک بدترین جانور اللہ کے نزدیک وہ لوگ ہیں جنھوں نے کفر کیا اور وہ ایمان نہیں لاتے، جن سے تم نے عہد لیا، پھر وہ اپنا عہد ہر بار توڑ دیتے ہیں اور وہ ڈرتے نہیں۔ پس اگر تم انھیں جنگ میں پا جاؤ تو انھیں ایسی مار مارو کہ جو ان کے پیچھے ہیں ان کو بھی تتر بتر کر دو تاکہ ان کے ہوش ٹھکانے ہوں اور اگر تمھیں کسی قوم سے بدعہدی کا خطرہ ہو تو تم بھی اسی طرح ان کا عہد ان پر پھینک مارو۔ اللہ بدعہدوں کو پسند نہیں کرتا۔ ۵۵-۵۸

۱۱۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا ۙ الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ۝ ذَٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ (۵۰-۵۱)

جوابِ شرط کے حذف کا ایک خاص محل

'وَلَوْ تَرَىٰ' جواب شرط یہاں محذوف ہے اور اس طرح کے مواقع میں، جیسا کہ دوسرے مقام میں ہم ذکر کر چکے ہیں، جواب شرط کا محذوف ہونا ہی تقاضائے بلاغت ہوتا ہے۔ اس سے یہ بات آپ سے آپ نکلتی ہے کہ جس منظر کے دیکھنے کا ذکر کیا جا رہا ہے اس کی ہولناکی ناقابلِ بیان ہے۔

مبالغہ فی النفی کا اسلوب

'لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ' میں بھی عربی زبان کا ایک خاص اسلوب ہے۔ عربی میں مبالغہ پر جب نفی آتی ہے تو اس سے مبالغہ فی النفی کا مضمون پیدا ہوتا ہے۔ یعنی خدا بندوں پر ذرا بھی ظلم کرنے والا نہیں۔ امرؤالقیس نے 'لَيْسَ بِفَعَّالٍ' اور 'لَيْسَ بِقَتَّالٍ' کے قسم کی ترکیبیں استعمال کی ہیں یعنی فلاں میں کچھ بھی کرنے کی صلاحیت نہیں، فلاں میں لڑنے کا ذرا دم خم نہیں، بس باتوں کا غازی ہے، کردار کا غازی نہیں۔

مطلب یہ ہے کہ کفار کو بدر میں جو مار پڑی یہ کیا ہے، اصل مار تو وہ ہے جو فرشتوں کے ہاتھوں ان کی موت کے وقت ان پر پڑتی ہے۔ اگر کہیں اس کو دیکھ پاتے تو کچھ اندازہ ہوتا کہ ان کی کیا درگت بننے والی ہے۔ پھر اس کے بعد عذابِ دوزخ کا مرحلہ ہے جس کا آج کوئی تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

ہر ایک کے آگے اس کے اپنے اعمال پیش ہوں گے

'ذَٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ' یعنی ان کے سامنے یہ انھی کے ہاتھوں کی کرتوت رکھی جائے گی۔ جو بس بھری فصل انھوں نے دنیا میں بوئی، سینچی اور پروان چڑھائی اسی کا حاصل ان کے سامنے آئے گا۔ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ کوئی ظلم و ناانصافی نہیں کرے گا۔ وہ اپنے بندوں کے ساتھ رتی بھر ظلم کا بھی روادار نہیں۔ اس کا قانون اور عدل بے لاگ ہے۔ ہر شخص جو کرے گا وہی بھرے گا۔

كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً أَنْعَمَهَا عَلَىٰ قَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ ۙ وَأَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ كَذَّبُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ فَأَهْلَكْنَاهُم بِذُنُوبِهِمْ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوا ظَالِمِينَ (۵۲-۵۴)

'آل' کا مفہوم

'كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ' 'آل' پر دوسری جگہ ہم تفصیل سے بحث کر کے بتا چکے ہیں کہ یہ صرف اولاد کے معنی میں نہیں آتا بلکہ اس کا اطلاق قوم اور اتباع سب پر ہوتا ہے۔

اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ قریش کو یہ افتاد جو پیش آئی ہے یہ اسی طرح کا معاملہ ہے جیسا کہ قوم فرعون اور اس سے پہلے کی قوموں کو پیش آیا کہ انھوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری، اس کی نشانیوں کی ناقدری اور اس کی آیات کا انکار کیا تو اللہ نے ان کو ان کے گناہوں کی پاداش میں پکڑا اس لیے کہ خدا قوی اور اپنے

قانون پاداش عمل کے اجرا و نفاذ میں بے لاگ ہے۔

قرینہ دلیل ہے کہ یہاں اَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوبِهِمْ سے اس نوعیت کی پکڑ کی طرف اشارہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ قوموں کو بطور تنبیہ مبتلا کرتا ہے۔ نبی کی بعثت کے دور میں اس طرح کی تنبیہات کا خاص طور پر ظہور ہوتا ہے۔ اس سنت الٰہی کی تفصیل کے لیے اعراف ۹۴۔ انعام ۴۲۔ بقرہ ۱۵۵ ملاحظہ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ یہ افتاد جو قریش کو پیش آئی ہے اس سے مقصود ان کو جھنجھوڑنا اور جگانا ہے۔ یہ بات سنت الٰہی کے مطابق ظہور میں آئی ہے اور اس کی مثالیں پچھلی قوموں کی تاریخ میں بھی گزر چکی ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ قریش اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں یا اپنی پیشرو قوموں کی تقلید میں اللہ کی آیات اور نبی کی دعوت کی تکذیب پر اڑ جاتے ہیں۔ اگر یہ تکذیب پر اڑ گئے تو پھر اللہ ان کو بھی اسی طرح ہلاک کر دے گا جس طرح آل فرعون اور دوسری قوموں کو اس نے ہلاک کیا۔

عذاب بطور تنبیہ

یہاں كَدَأْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ دو مرتبہ آیا ہے یہ تکرار نہیں ہے بلکہ دونوں جگہ دو باتیں بتائی گئی ہیں۔ پہلے یہ بتایا کہ یہ اسی نوع کی تنبیہ ہے جس نوع کی تنبیہ فرعون اور دوسری قوموں کو کی گئی۔ پھر یہ بتایا کہ اگر اس تنبیہ سے انھوں نے فائدہ نہ اٹھایا تو بالآخر ان پر بھی اسی طرح فیصلہ کن عذاب آ جائے گا جس طرح ان قوموں پر آیا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ یہ حکمت بیان ہوئی ہے اس بات کی کہ اللہ تعالیٰ نے یہ اہتمام کیوں فرمایا کہ قوموں کو تذکیر و تنبیہ ہوتی رہے۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب کسی قوم پر انعام فرماتا ہے تو یوں ہی نہیں فرماتا بلکہ وہ انعام کچھ صفات و کردار پر مبنی ہوتا ہے، اسی طرح جب وہ کسی قوم کو اپنے اس انعام سے محروم کرتا ہے تو یوں ہی محروم نہیں کر دیتا بلکہ وہ یہ دیکھ کر کرتا ہے کہ قوم نے اپنے آپ کو ان صفات و اخلاق سے محروم کر لیا جن کی بنا پر وہ مستحق انعام ٹھہری تھی۔ یہ چیز مقتضی ہوئی کہ جب کوئی انعام یافتہ قوم خرابیوں میں مبتلا ہو تو خدا تذکیر و تنبیہ کے ذریعہ سے اس پر حجت تمام کر دے۔ اس تذکیر و تنبیہ سے اگر قوم بیدار ہو گئی تو اس کا استحقاق باقی رہتا ہے۔ اگر نہ بیدار ہوئی تو وہ اللہ کی نعمت سے اتمام حجت کے بعد محروم ہو جاتی ہے اور ساری ذمہ داری خود اسی پر ہوتی ہے، خدا اس سے کوئی ناانصافی نہیں کرتا۔ یہ قریش کو تنبیہ ہے کہ ابھی موقع باقی ہے اس سے فائدہ اٹھا لو، خدا نے تم پر جو انعام فرمایا تھا وہ تم سے زبردستی نہیں چھیننا چاہتا بلکہ تمہارے عقائد و اعمال کے بگاڑ نے اس کے اسباب پیدا کیے ہیں، تم اپنے آپ کو بدل کر اور اصلاح کر کے پھر اپنے استحقاق کو بحال کر سکتے ہو۔

تذکیر و تنبیہ کا مقصد

وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ یعنی قوموں کے عزل و نصب میں اللہ تعالیٰ کا معاملہ اندھے کی لاٹھی کی طرح نہیں ہے بلکہ تمام تر سمع و علم پر مبنی ہے۔ وہ قوموں کو اختیار و اقتدار اور اسباب و وسائل دے کر برابر ہر چیز کو دیکھتا، سنتا اور جانتا رہتا ہے کہ وہ کیا بنا رہی ہیں اور کس راہ پر جا رہی ہیں اور اس کا معاملہ ان کے ساتھ اسی لیے خطا سمع و علم پر مبنی ہوتا ہے۔

خدا کا معاملہ سمع و علم پر مبنی ہوتا ہے

كَدَأْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ یہ وہ انجام بیان ہو رہا ہے جو آگے قریش کا ہوگا اگر انھوں نے ان تنبیہات

تنبیہات سے فائدہ نہ اٹھانے والوں کا انجام

سے سبق حاصل نہ کیا جو ان کو کی جا رہی ہیں۔ یعنی پھر وہ تنبیہات کے بجائے خدا کے فیصلہ کن عذاب کی زد میں آجائیں گے۔ ان دونوں آیتوں میں الفاظ اور لہجہ کا جو فرق ہے اس کو نگاہ میں رکھیے۔ اوپر والی آیت میں فرمایا ہے کَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ اس میں ہے کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّہِمْ۔ اوپر ہے فَاَخَذَہُمُ اللّٰہُ بِذُنُوْبِہِمْ، یہاں ہے فَاَہْلَکْنٰہُمْ بِذُنُوْبِہِمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ۔ اس فرق کو ملحوظ رکھے بغیر دونوں آیتوں کا موقع و محل واضح نہیں ہوگا۔

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰہِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَہُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝ اَلَّذِیْنَ عٰہَدْتَّ مِنْہُمْ ثُمَّ یَنْقُضُوْنَ عَہْدَہُمْ فِیْ کُلِّ مَرَّۃٍ وَّہُمْ لَا یَتَّقُوْنَ ۝ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّہُمْ فِی الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِہِمْ مَّنْ خَلْفَہُمْ لَعَلَّہُمْ یَذَّکَّرُوْنَ ۝ وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِیَانَۃً فَانْۢبِذْ اِلَیْہِمْ عَلٰی سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْخَآئِنِیْنَ (۵۵-۵۸)

یہود کی وعدہ خلافیاں

اب یہ یہود اور ان قبائل کے باب میں ہدایت دی جا رہی ہے جن سے مدینہ ہجرت فرمانے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ناطرفداری کے معاہدے کر لیے تھے مثلاً جہینہ، بنی ضمرہ، بنی مدلج وغیرہ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کیے ہوئے معاہدے کا برابر احترام باقی رکھا لیکن یہود نے ایک دن بھی اس کا احترام نہیں کیا اور یہ قبائل بھی یہود کی انگیخت یا قریش کے دباؤ سے برابر معاہدے کی خفیہ یا علانیہ خلاف ورزیاں کرتے رہے۔

'شَرَّ الدَّوَآبِّ' کا مفہوم

'اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ' کے اسلوب میں جو زور اور شدت ہے اس کی وضاحت آیت ۲۲ کے تحت گزر چکی ہے۔ یہ اسلوب ان لوگوں کے وجود اور بقا کے جواز کی نفی کر رہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انسانوں کے کسی گروہ کی قدر و قیمت اسی وقت تک ہے جب تک ان میں کوئی رمق سوچنے سمجھنے کی باقی ہے۔ جن کے اندر یہ رمق ختم ہو گئی، نہ وہ پہلے ایمان لائے، نہ آیندہ ایمان لانے والے ہیں، اب وہ صرف گندگی کے ایک ڈھیر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اب خدا کی زمین پر ان کے باقی رہنے میں کوئی خیر و برکت نہیں ہے۔ یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ رسول اتمام حجت کا آخری ذریعہ ہوتا ہے۔ جن کی آنکھوں کے پردے رسول کے بعد بھی نہیں اٹھتے ان کا اندھا پن لاعلاج ہوتا ہے اور زمین پر ان کا باقی رہنا بالکل بے مقصد ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کو جینے کی جو مہلت دیتا ہے صرف جینے کے لیے نہیں دیتا بلکہ سوچنے سمجھنے اور زندگی سنوارنے سدھارنے کے لیے دیتا ہے۔

مذکورہ گروہ کی اخلاقی پستی

'اَلَّذِیْنَ عٰہَدْتَّ مِنْہُمْ ثُمَّ یَنْقُضُوْنَ عَہْدَہُمْ فِیْ کُلِّ مَرَّۃٍ وَّہُمْ لَا یَتَّقُوْنَ' یہ انہی لوگوں کا حال بیان ہو رہا ہے 'مِنْہُمْ' یعنی مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اوپر ہم اشارہ کر آئے ہیں کہ ان لوگوں نے معاہدہ تو کر لیا لیکن اس کو وفاداری کے ساتھ نبھایا ایک دن بھی نہیں۔ جب کوئی موقع امتحان کا آتا وہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے سے باز نہ آتے۔ ان کی ہمدردیاں برابر قریش کے ساتھ رہیں۔ معاہدہ کر لینے کے

بعد بار بار نقضِ عہد کا ارتکاب یہ ان کے دل کی سختی، کردار کی پستی اور ان کے احساسِ غیرت وحمیت سے خالی ہونے کی دلیل تھی۔ 'فِیْ کُلِّ مَرَّۃٍ' سے مطلب یہ ہے کہ جس طرح کے حالات کے لیے معاہدہ وجود میں آیا تھا اس طرح کی کوئی آزمائش جب کبھی پیش آتی تو یہ معاہدہ کا احترام نہ کرتے بلکہ اس کی خلاف ورزی کر گزرتے۔ 'لَا یَتَّقُوْنَ' سے یہاں مطلب یہ ہے کہ نقضِ عہد اور اس کے نتائج سے نہیں بچتے حالانکہ عہد کی پاسداری اور حرمت دنیا کے معروف میں بھی مسلّم ہے اور اللہ کے ہاں بھی اس کی پرسش ہونی ہے۔

فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِی الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ یَذَّكَّرُوْنَ۔

'ثقف' کے معنی پالینے کے ہیں اور 'تشرید' کے معنی پراگندہ کر دینے، تتر بتر کر دینے کے۔ مطلب یہ ہے کہ ابھی تو یہ جو کچھ کر رہے ہیں پردے میں کر رہے ہیں۔ ان میں سے کوئی سامنے آنے کی جرأت نہیں کر رہا ہے۔ اگر ان میں سے کوئی گروہ سامنے آنے کی جرأت کرے اور جنگ کے میدان میں تمھیں مل جائے تو انہیں ایسی مار مارو کہ ان کے بھی پرخچے اڑ جائیں اور جو ان کے پیچھے بیٹھے ہوئے پر تول رہے ہیں ان کے پرو بال بھی جھڑ جائیں۔

'لَعَلَّهُمْ یَذَّكَّرُوْنَ' یعنی ان کا انجام دیکھ کر ان کو بھی سبق حاصل ہو کہ اگر انھوں نے بھی یہی حرکت کی تو ان کا بھی یہی انجام ہونا ہے۔

معاہدات سے متعلق ضروری ہدایت

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِیَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَیْهِمْ عَلٰی سَوَآءٍ۔ یہ مذکورہ قسم کے تمام معاہدوں سے متعلق عام ہدایت دے دی کہ ان کی ذمہ داری تم پر یک طرفہ نہیں ہے صرف اسی صورت میں ہے جب دوسرا فریق بھی ان کا احترام کرے۔ اگر وہ احترام نہیں کرتا تو تم بھی اس معاہدہ کو ان کے منہ پر پھینک مارو۔ 'عَلٰی سَوَآءٍ' کا مفہوم یہ ہے کہ انہی کے برابر کا اقدام تم بھی کرنے کے مجاز ہو۔ اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ اینٹ کا جواب پتھر سے نہیں دینا چاہیے بلکہ جواب ہم وزن ہونا چاہیے۔ بعض لوگوں نے اس سے یہ لازم قرار دیا ہے کہ ختم معاہدہ کی اطلاع فریق ثانی کو دے دینی چاہیے۔ ان کی اس بات کی کوئی دلیل ان الفاظ میں مجھے نظر نہیں آتی۔ البتہ یہ بات مستنبط ہوتی ہے کہ محض فرضی اندیشہ کسی معاہدے کو کالعدم قرار دینے کے لیے کافی نہیں ہے بلکہ عملاً اس کی خلاف ورزی کا اظہار ہوا ہو۔ اول تو یہاں 'تَخَافَنَّ' کا جو فعل استعمال ہوا ہے اس میں خود تاکید ہے۔ دوسرے 'عَلٰی سَوَآءٍ' کی قید بھی ان کو نمایاں کر رہی ہے۔

بدعہدوں سے اظہارِ برأت

'اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْخَآئِنِیْنَ' یہ اظہار برأت کا کلمہ ہے۔ یعنی اللہ کا ایسے بدعہدوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور جب اللہ کا ان سے کوئی تعلق نہیں تو اہل ایمان کوئی تعلق ایسے لوگوں سے کیسے رکھ سکتے ہیں۔ اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ اہلِ ایمان ان سے نباہیں تو گویا وہ ان سے نباہیں گے جن سے خدا کو نفرت ہے۔

۱۲- آگے کا مضمون ——— آیات ۵۹ - ۶۶

آگے مسلمانوں کو جہاد کے لیے برابر تیار رہنے اور اس کے لیے اسلحہ اور قوت فراہم کرنے پر ابھارا ہے۔ اس لیے کہ بدر میں قریش کو جو شکست ہوئی اس نے قریش میں بھی آگ لگا دی اور یہود بھی جواب تک یہ توقع لیے بیٹھے تھے کہ وہ قریش کے ہاتھوں مسلمانوں کو ختم کرا دیں گے، اپنی اس توقع میں ناکام ہو کر نئے منصوبے بنانے میں پوری طرح سرگرم ہو گئے۔ ان حالات سے نپٹنے کے لیے مسلمانوں کو بھی ہدایت ہوئی کہ اب پوری سرگرمی سے جہاد کے لیے تیاری کرو۔

اس ضمن میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطمینان بھی دلایا گیا کہ اگر یہ معاندین کوئی مصالحانہ رویہ اختیار کرنے کا رجحان ظاہر کریں تو تم بھی مصالحت سے گریز نہ کرنا۔ اگر اس مصالحت کے پردے میں انھوں نے کوئی چال چلنے کی کوشش کی تو جس خدا نے اپنی نصرت اور انہی تھوڑے سے مسلمانوں کے ذریعے سے بدر میں تمھیں فتح دلائی ہے وہ اب بھی تمھارے ساتھ ہے۔

پھر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تسلی دی گئی کہ تم مسلمانوں کی تعداد کی کمی سے مطلق ہراساں نہ ہو، تمھارے لیے اللہ اور انہی تھوڑے سے مسلمانوں کی رفاقت کافی ہے۔ یہی قطرے سیلاب بنیں گے۔ مسلمانوں کو اطمینان دلاؤ کہ ان کے دس آدمی کفار کے سو آدمیوں پر بھاری ہوں گے۔ اصلی طاقت دلوں کی طاقت ہوتی ہے نہ کہ محض گنتی کی۔ جو لوگ تمھارے مقابل میں ہیں وہ محض کھوکھلے دل والے ہیں۔

اس مجموعہ کی آخری آیت ۶۶ قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں، مسلمانوں کی کثرت کے دور میں نازل ہوئی ہے۔ اس نے مسلمانوں پر سے وہ ذمہ داری کچھ ہلکی کر دی جو اوپر والی آیت میں ان پر عائد ہوئی تھی۔ چونکہ اس کا تعلق اسی مضمون سے تھا اس وجہ سے اس کو یہاں جگہ دی گئی۔ آگے اس کی وضاحت آئے گی۔

آیات ۵۹-۶۶

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَبَقُوا ۚ إِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُونَ ﴿٥٩﴾ وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِن دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ ۚ وَمَا تُنفِقُوا مِن شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ﴿٦٠﴾ وَإِن جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٦١﴾ وَإِن

يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ۭ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ
بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ۭ لَوْ اَنْفَقْتَ
مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ
اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۳﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ
وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۴﴾ ع يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ
عَلَي الْقِتَالِ ۭ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ
وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ
قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾ اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ
ضَعْفًا ۭ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا
مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ
وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۶۶﴾

ع ۸ / ۴

ترجمۂ آیات ۵۹-۶۶

اور یہ کافر یہ گمان نہ کریں کہ وہ نکل بھاگیں گے، وہ ہمارے قابو سے باہر نہیں
جا سکیں گے اور ان کے لیے جس حد تک کر سکو فوج اور بندھے ہوئے گھوڑے تیار رکھو
جس سے اللہ کے اور تمھارے اِن دشمنوں پر تمھاری ہیبت رہے اور ان کے علاوہ کچھ
دوسروں پر بھی جنھیں تم نہیں جانتے ہو، اللہ انھیں جانتا ہے اور جو کچھ بھی تم اللہ کی
راہ میں خرچ کرو گے وہ تمھیں پورا کر دیا جائے گا اور تمھارے ساتھ کوئی کمی نہیں
کی جائے گی۔ ۵۹-۶۰

اور اگر وہ مصالحت کی طرف جھکیں تو تم بھی اس کے لیے جھک جائیو اور اللہ

پر بھروسہ رکھیو۔ بے شک وہ سننے والا جاننے والا ہے۔ اور اگر وہ تم کو دھوکا دینا چاہیں گے تو اللہ تمہارے لیے کافی ہے۔ وہی ہے جس نے اپنی نصرت سے اور مومنین کے ذریعے سے تمہاری امداد کی۔ اور ان کے دلوں کو باہم جوڑا اور اگر تم زمین میں جو کچھ ہے سب خرچ کر ڈالتے تو بھی ان کے دلوں کو باہم نہ جوڑ سکتے لیکن اللہ نے ان کو جوڑ دیا۔ بے شک وہ غالب اور حکیم ہے۔ ۶۱-۶۳

اے نبی تمہارے لیے اللہ اور یہی مومنین جنھوں نے تمہاری پیروی اختیار کی ہے کافی ہیں۔ اے نبی مومنین کو جہاد پر ابھارو۔ اگر تمہارے بیس آدمی ثابت قدم ہوں گے تو دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر تمہارے سو ہوں گے تو ہزار کافروں پہ بھاری ہوں گے یہ اس وجہ سے کہ یہ لوگ بصیرت سے محروم ہیں۔ ۶۴-۶۵

اب اللہ نے تمہاری ذمہ داری ہلکی کر دی اور اس نے جان لیا کہ تم میں کچھ کمزوری ہے۔ سو تمہارے سو ثابت قدم ہوں گے تو دو سو پر غالب رہیں گے اور اگر ہزار ہوں گے تو اللہ کے حکم سے دو ہزار پر بھاری ہوں گے اور اللہ ثابت قدموں کے ساتھ ہے۔ ۶۶

۱۳- الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَبَقُوا ۚ إِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُونَ (۵۹)

اوپر کی آیات میں کفار کو جو دھمکی دی ہے اور خاص طور پر یہ بات جو فرمائی ہے کہ ان کی ساری دوا دوش اور ان کی تمام جولانیوں کا خدا احاطہ کیے ہوئے ہے یہ اسی مضمون کی تاکید مزید ہے۔ فرمایا کہ اب ہم نے ان کا تعاقب شروع کر دیا ہے۔ اب یہ اس غلط فہمی کو ذہن سے نکال دیں کہ یہ ہم سے بچ کے نکل جائیں گے۔ یہ ہمارے قابو سے باہر نہیں جا سکتے۔ اعجزہ الصید کے معنی ہوں گے فاتہ ولم یقدر علیہ شکار قابو سے باہر نکل گیا۔ پکڑا نہ جا سکا۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ (۶۰)

لفظ قوۃ کا مفہوم

'وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ' لفظ 'قوۃ' قرآن میں، جیسا کہ ۶۹-توبہ، ۸۰ ہود، ۹۵ کہف، ۱۵ فصّلت اور دوسری آیات سے واضح ہے، عددی قوت اور (MAN POWER) کے لیے بھی آتا ہے۔

رباط الخیل سے مراد

مسلمانوں کو جنگی تیاریوں کا حکم

'رباط الخیل' سے مراد وہ گھوڑے ہیں جو خاص جنگ کے لیے تربیت دیے جائیں اور اسی غرض کے لیے محفوظ اور تیار رکھے جائیں۔ جنگ میں ہر قسم کے گھوڑے کام نہیں آتے۔ اس زمانے کی جنگ میں گھوڑوں ہی کی اصل اہمیت بھی تھی اور عرب کی مخصوص آب و ہوا کے لحاظ سے ان کے ہاں گھوڑوں کی تربیت کا خاص اہتمام بھی تھا۔ اسی چیز کی ہدایت یہاں مسلمانوں کو کی گئی ہے کہ جہاد کے لیے قابلِ جہاد لوگوں کو بھی منظم کرو اور تربیت دیے ہوئے گھوڑے بھی تیار رکھو۔ اب تک تو جب کسی جنگی مہم کی صورت پیش آتی عرب کے عام دستور کے مطابق یہ ہوتا کہ ہر سپاہی، جو سامان اس کو میسر ہوتا اس کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوتا لیکن اس آیت میں مسلمانوں کو یہ ہدایت کی جا رہی ہے کہ اپنی فوجی قوت نفری کے اعتبار سے بھی اور اسلحہ و اسبابِ جنگ کے اعتبار سے بھی زیادہ سے زیادہ بڑھائیں۔ اس زمانے کی جنگ میں گھوڑوں کو وہی اہمیت حاصل تھی جو اس زمانے میں ٹینک اور ہوائی جہاز کو حاصل ہے جنگ بدر میں مسلمانوں کے ساتھ گھوڑے بہت کم تھے۔ آگے کے مراحل کے لیے ان کی تعداد زیادہ کرنے کی تاکید ہوئی۔

مسلمانوں کے دشمن اللہ کے دشمن

'تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ' یہ اس تیاری کا مقصد بیان ہوا ہے کہ اللہ کے اور تمھارے دشمنوں پر تمھاری دھاک اور ہیبت قائم رہے کہ تمھیں نرم چارہ سمجھ کر وہ تم پر حملہ کرنے کی جرأت نہ کریں۔ یہاں مسلمانوں کے تمام دشمنوں کو اللہ کا دشمن ٹھہرایا ہے اس لیے کہ مسلمانوں کی جنگ جس سے بھی تھی، اللہ کے دین کے لیے تھی، اس میں کسی اور چیز کا کوئی دخل نہیں تھا۔

مسلمانوں کے پس پردہ دشمنوں کی طرف ایک اشارہ

'وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ' اللہ اور مسلمانوں کے یہ دشمن دو قسم کے تھے۔ ایک تو وہ جو سامنے آ چکے تھے، مثلاً قریش جو روزِ اول سے دشمن تھے۔ دوسرے وہ جو ابھی پردے میں تھے۔ مثلاً یہود، جن کی خفیہ سازشوں اور ریشہ دوانیوں کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ نیز وہ قبائل جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معاہدۂ غیر جانبداری تھا لیکن، یہود اور قریش کی تحریک سے وہ بھی پر تولنے لگ گئے تھے۔ علاوہ ازیں وہ منافقین جو منافقت میں بڑے مشاق تھے اور برابر دشمنوں کی مقصد برآری کے لیے مصروفِ سازش رہتے تھے۔ قرآن نے سورۂ توبہ میں ان کی طرف اشارہ کیا ہے۔

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ	اور تمہارے ارد گرد جو اعراب ہیں ان میں بہتیرے
وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُوا	منافق ہیں اور اہل مدینہ میں بھی منافق ہیں۔ یہ اپنے
عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ	نفاق میں بڑے مشاق ہیں۔ تم ان کو نہیں جانتے۔
سَنُعَذِّبُهُم مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّونَ	ہم ان کو جانتے ہیں۔ ہم ان کو دو مرتبہ عذاب دیں گے
إِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ (۱۰۱ توبہ)	پھر یہ ایک عظیم عذاب کی طرف دھکیلے جائیں گے۔

علاوہ ازیں بیرونی طاقتیں مثلاً رومی، غساق، ایرانی وغیرہ بھی تھیں جو بعد میں اس وقت سامنے آئیں جب اسلام نے پورے عرب کو زیرنگیں کر لیا۔ قرآن نے یہاں مسلمانوں کو حاضر سے متعلق ہدایت دیتے ہوئے ان دشمنوں کی طرف بھی ایک اشارہ کر دیا جو مستقبل قریب یا مستقبل بعید کے پردوں میں چھپے ہوئے ہیں تاکہ مسلمان دور تک نگاہ رکھ کر منصوبہ بندی کریں۔ یہ نہ خیال کریں کہ محض ایک وقتی جھونکا تھا، جو آیا اور اب گزر گیا ہے۔

جنگی تیاریوں کے لیے انفاق

'وَمَا تُنفِقُوا مِن شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ الایۃ' جنگی تیاریوں کے سلسلہ میں انفاق کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے کہ اس مقصد کے لیے جو کچھ بھی خرچ کرو گے تمہارا کوئی دھیلا پیسہ بھی ضائع جانے والا نہیں ہے۔ اللہ کے ہاں تمہارا پائی پائی کا حساب موجود رہے گا اور وہ سب تمہیں پورا کر دیا جائے گا، اس میں ذرا کمی نہیں ہوگی۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ 'پورا کیا جانا' اسی اصول کے مطابق ہوگا جو نیکیوں کے اجر کے لیے اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے اور جو قرآن میں دوسرے مقام میں مذکور ہے۔

وَإِن جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ وَإِن يُرِيدُوا أَن يَخْدَعُوكَ فَإِنَّ حَسْبَكَ اللَّهُ ۚ هُوَ الَّذِي أَيَّدَكَ بِنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ ۝ وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ ۚ لَوْ أَنفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَّا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۚ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (۶۱-۶۳)

صلح جوئی کی اجازت

'وَإِن جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ' 'سَلْمٌ' 'سِلْمٌ' صلح اور مصالحت کے معنی میں آتا ہے اور یہ مؤنث بھی استعمال ہوتا ہے۔

اجتماعی اصول عدل کا احترام

اوپر جنگ کا جو حکم دیا ہے وہ 'حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ' 'وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ' کی تصریح کے ساتھ ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ قریش کے ساتھ یہ جنگ اس وقت تک ختم ہونے والی نہیں ہے جب تک فتنہ کا اور سرزمین حرم سے ہر شائبہ شرک و کفر کا استیصال نہ ہو جائے۔ یہاں یہ واضح فرمایا کہ یہ حکم اس بات کے منافی نہیں ہے کہ کسی مرحلے میں قریش اگر صلح کے خواہاں ہوں تو ان سے صلح کر لی جائے۔ ان کی صلح کی پیشکش کو قبول کرنے کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت دے دی گئی۔ اس وقت تک قریش کے لیڈروں نے جس عناد کا اظہار کیا تھا اس کو سامنے رکھتے ہوئے ان سے یہ توقع نہیں تھی کہ وہ کوئی مصالحت نیک نیتی

سے کریں گے بلکہ اندیشہ تھا کہ شرارت کرنے اور دھوکہ دینے ہی کے لیے کریں گے اس وجہ سے ان پر اعتماد کرنے کا مسئلہ بڑا مشکل تھا۔ تاہم چونکہ اجتماعی اصول عدل اسی بات کا مقتضی تھا کہ حریف کی صلح کی پیشکش ٹھکرائی نہ جائے اس وجہ سے آنحضرتؐ کو ہدایت ہوئی کہ اس اندیشے کے باوجود مصالحت قبول کر لینا اور اللہ پر بھروسا رکھنا۔ اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ اگر اس کے اعتماد پر تم ایک مقصدِ خیر کی خاطر خطرہ مول لو گے تو اللہ تمھاری مدد فرمائے گا اور حریف اس سے کوئی غلط فائدہ اٹھانے میں کامیاب نہ ہوگا۔

(بین الاقوامی معاملات میں صلح کا احترام)

'وَاِنْ یُّرِیْدُوْٓا اَنْ یَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ' یعنی زیادہ سے زیادہ کیا ہوگا۔ یہی تو کہ وہ تمھیں دھوکہ دینے کی کوشش کریں گے تو اس کی پروا نہ کرنا، اللہ تمھارے لیے کافی ہے۔ 'اللہ تمھارے لیے کافی ہے' کے اجمال میں جو کچھ مضمر ہے قلم اس کی تعبیر سے اگرچہ قاصر ہے لیکن وہ بغیر کسی اظہار کے بھی ظاہر ہے۔ یہاں خاص طور پر غور کرنے کی چیز یہ ہے کہ اسلام حق و انصاف کے جس اصول کی تلقین انسان کو اس کی انفرادی زندگی کے لیے کرتا ہے۔ اسی کی تلقین اس کی اجتماعی زندگی کے لیے کرتا ہے اور اسی کی تلقین اس کی بین الاقوامی زندگی کے لیے بھی کرتا ہے اور اس تصریح کے ساتھ کرتا ہے کہ اگر اس میں کچھ خطرہ اور اندیشہ بھی ہو جب بھی کسی خیر کی پیشکش ٹھکرائی نہ جائے۔ بلکہ اللہ پر بھروسہ کر کے وہ قبول کر لی جائے۔ یہ توکل علی اللہ یہاں خاص طور پر نگاہ میں رہے۔ معلوم ہوا کہ توکل صرف مسجد کی چاردیواری تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ میدانِ جنگ میں بھی اہل ایمان کی قوت اور بین الاقوامی معاملات میں بھی اہل ایمان کی پشت پناہ ہے۔

'هُوَ الَّذِیْٓ اَیَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ' یہ اس 'حسبک اللہ' کی دلیل بیان ہوئی ہے کہ جس خدا نے بدر میں اپنے فرشتوں کی فوج سے تمھاری مدد کی اور مٹھی بھر مسلمانوں سے کفار کی دل بادل فوج کچلوا دی وہ خدا تمھاری اس وقت بھی مدد فرمائے گا جب تمھارے یہ حریف صلح کے پردے میں تمھارے خلاف جنگ کی اسکیمیں بنائیں گے اور تمھاری نیکی سے کوئی غلط فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں گے۔

(خدا ساز بات)

'وَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ ۭ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ' اوپر جو یہ اشارہ ہوا ہے کہ اللہ نے مومنین کے ذریعہ سے تمھاری مدد فرمائی، یہ اس کی وضاحت ہے کہ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے بلکہ خاص تائیدِ غیبی ہی کا یہ کرشمہ ہے۔ کسی شیطانی مقصد کے لیے کسی بھیڑ کا اکٹھا کر لینا تو مشکل نہیں ہوتا۔ ہر نعرہ باز یہ کام کر سکتا ہے لیکن خاص اللہ کے کام کے لیے جس میں خدا کی خوشنودی اور آخرت کی طلب کے سوا کسی بھی دوسری چیز کا کوئی ادنیٰ شائبہ نہ ہو، کلمۂ حق کے جاں نثاروں کی ایک جمعیت کا فراہم ہو جانا بغیر اس کے ممکن نہیں ہوا کہ اللہ نے تائید کی اور اس کی توفیق بخشی نے رہنمائی فرمائی۔ جو لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمع ہوئے تھے، اپنی یہ نئی زندگی اختیار کرنے سے پہلے، دورِ جاہلیت کی تمام برائیوں میں آلودہ تھے، ان کے قبیلے جدا جدا تھے اور ان میں شدید قسم کے تعصبات تھے، ان کے دیوتا الگ الگ تھے اور یہ آنکھیں بند کر کے ان کی پرستش کرتے تھے۔ ان کے مفادات باہم متصادم تھے اور یہ ان کے

حاصل کرنے کے لیے جائز و ناجائز اور عدل و ظلم کے تمام حدود و قیود سے آزاد تھے۔ اس طرح کے لوگوں کو ان کے تمام تعصبات و مفادات اور تمام رسوم و عادات سے چھڑا کر بالکل ایک نئے سانچے میں ڈھال دینا اور اس سانچے کو ان کی نگاہوں میں اتنا محبوب بنا دینا کہ اس کی خاطر وہ قوم، وطن، خاندان، جائداد اور بیوی بچے سب کو چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوں، یہ خدا ہی کے لیے ممکن ہے۔ کوئی انسان یہ کام نہیں انجام دے سکتا، اگرچہ وہ دنیا جہان کے سارے وسائل اس پر صرف کر ڈالے۔

اللہ عزیز و حکیم ہے۔ وہ جو کام کرنا چاہتا ہے کر ڈالتا ہے اور اس کا ہر کام حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔ یہ اشارہ ہے ہدایت و ضلالت کے اس قانون کی طرف جس کی وضاحت ایک سے زیادہ مقامات میں ہو چکی ہے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ حَسْبُكَ ٱللَّهُ وَمَنِ ٱتَّبَعَكَ مِنَ ٱلْمُؤْمِنِينَ ۝ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ حَرِّضِ ٱلْمُؤْمِنِينَ عَلَى ٱلْقِتَالِ ۚ إِن يَكُن مِّنكُمْ عِشْرُونَ صَٰبِرُونَ يَغْلِبُوا۟ مِا۟ئَتَيْنِ ۚ وَإِن يَكُن مِّنكُم مِّا۟ئَةٌ يَغْلِبُوٓا۟ أَلْفًا مِّنَ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ (۶۴-۶۵)

مسلمانوں کو جہاد پر ابھارنے کی ہدایت

’یَا أَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ‘ یہ آیت تمہید ہے اس حکم کی جو بعد والی آیت میں مسلمانوں کو جہاد پر ابھارنے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تمہارے لیے اللہ کی مدد اور ان تھوڑے سے مسلمانوں ہی کی رفاقت کافی ہے، تو تم کفار کی کثرت اور اپنے ساتھیوں کی قلت کی فکر نہ کرو۔ گویا وہی بات جو اوپر فَإِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ هُوَ الَّذِیْٓ أَیَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ کے الفاظ میں ارشاد ہوئی ہے، یہاں دوسرے اسلوب سے کہی گئی ہے۔ بعض لوگوں نے یہ خیال کیا ہے کہ ’وَمَنِ اتَّبَعَكَ‘ کا عطف ’اللّٰہ‘ پر ماننے سے شرک کا پہلو پیدا ہوتا ہے لیکن یہ خیال کلام کے سیاق و سباق پر غور نہ کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔ ہم نے جو تاویل کی ہے وہ بالکل واضح، قرآن کے نظائر کے مطابق اور شرک کے ہر شائبہ سے پاک ہے۔

مسلمانوں اور کافروں کی قوت کا تناسب

’یَا أَیُّهَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ‘ یہ اسی اوپر والے مضمون کی وضاحت ہے کہ ہر چند تمہارے ساتھیوں کی تعداد باعتبار کمیت تھوڑی ہے لیکن باعتبار کیفیت بہت ہے۔ تمہارے بیس ثابت قدم مسلمان کفار کے دو سو آدمیوں پر اور تمہارے سو آدمی ان کے ہزار آدمیوں پر بھاری ہوں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تمہارے ساتھیوں کو اللہ نے بصیرتِ ایمانی سے نوازا ہے اور تمہارے حریف اس بصیرت سے محروم ہیں۔

مسلمان کی اصل قوت

’لَا یَفْقَهُوْنَ‘ میں ’فقہ‘ سے مراد بصیرتِ ایمانی ہے۔ یہی بصیرت انسان کا اصل جوہر ہے۔ اسی بصیرت کے ساتھ جب مومن میدانِ جنگ میں نکلتا ہے تو وہ اپنے تنہا وجود کے اندر ایک لشکر کی قوت محسوس کرتا ہے، اس کو اپنے دہنے بائیں خدا کی نصرت نظر آتی ہے، موت اس کو زندگی سے زیادہ عزیز و محبوب ہو جاتی ہے اس لیے کہ اس کی بصیرت اس کے سامنے اس منزل کو روشن کر کے دکھا دیتی ہے جو اللہ کی راہ میں شہید ہونے والوں کے لیے مخصوص ہے۔ یہی بصیرت اس کے اندر وہ صبر و ثبات پیدا کرتی ہے جو اس

کو تنہا اس بصیرت سے محروم دس آدمیوں پر بھاری کر دیتی ہے۔

اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ؕ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (۶۶)

مسلمانوں کی ذمہ داری میں تخفیف

'اَلْئٰنَ' کا لفظ یہاں اس بات کا قرینہ ہے کہ یہ آیت اوپر کی آیات کے بہت بعد اس دور میں نازل ہوئی ہے جب مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہو گئی ہے۔ چنانچہ دونوں میں تقابل کی نسبت بھی مختلف ہے۔ اوپر والی آیت میں بیس اور دو سو، سو اور ہزار کا تقابل ہے اور اس میں سو اور دو سو، ہزار اور دو ہزار کا تقابل ہے۔ یہ بھی قرینہ ہے کہ یہ مسلمانوں کی کثرت کے دور کی آیت ہے۔ اس کا تعلق چونکہ اسی مضمون سے تھا اس وجہ سے ترتیب میں اس کو یہیں جگہ ملی۔ قرآن میں نظم کے اعتبار کی ایک دلیل یہ بھی ہے۔

یہ بات کہ دس مسلمان سو پر بھاری رہیں گے وارد تو ہوئی ہے بشارت کے سیاق میں لیکن اس بشارت کے ساتھ اس نے مسلمانوں پر ایک بھاری ذمہ داری بھی ڈال دی تھی کہ بیس مسلمان دو سو کافروں کا اور سو مسلمان ہزار کافروں کا اپنے آپ کو مدمقابل سمجھیں اور اگر کہیں اسی نسبت کے ساتھ ان سے مقابلہ کی نوبت آن پڑے تو قلت تعداد کے عذر پر ان کو پیٹھ نہ دکھائیں۔ چونکہ پیٹھ دکھانے کا گناہ، جیسا کہ آیت ۱۶ میں بیان ہوا، بہت سخت ہے اس وجہ سے قدرتی طور پر مسلمانوں نے اس ذمہ داری کو ایک بھاری ذمہ داری محسوس کیا ہو گا اور اسی احساس کے ساتھ اس کو ادا کرنے کی کوشش کی ہو گی۔ بعد میں جب مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہو گئی تو یہ بوجھ اللہ تعالیٰ نے ہلکا کر دیا اور سابق نسبت بدل کر سو اور دو سو، ہزار اور دو ہزار کی نسبت قائم کر دی گئی۔

تخفیف کے دو سبب

آیت کے الفاظ سے اس نسبت کی تبدیلی کی دو وجہیں سامنے آتی ہیں۔

ایک یہ کہ جب اللہ تعالیٰ کے فضل سے مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہو گئی تو اس نے یہ پسند فرمایا کہ سابقون الاولون کے کندھوں پر جو زیادہ بوجھ ہے وہ ہلکا کر کے دوسرے بعد میں آنے والے مسلمانوں پر ڈال دیا جائے۔

دوسری یہ ہے کہ بعد میں جو لوگ اسلام میں داخل ہوئے وہ بصیرت و عزیمت کے اعتبار سے سابقون الاولون کے ہم پایہ نہیں تھے۔ بحیثیت مجموعی ان کا درجہ کم ہی تھا اس وجہ سے ان کی کمزوری کا لحاظ کر کے ان کی ذمہ داری بھی کم رکھی۔ اس کا اشارہ 'عَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا' سے نکلتا ہے۔ 'ضعف' کا لفظ جسمانی اور مادی کمزوری کے لیے نہیں آتا بلکہ عزم و ارادہ اور معرفت و بصیرت کے ضعف کے لیے بھی آتا ہے۔

ان آیات پر تدبر کی نگاہ ڈالیے تو ایک تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اللہ کی نصرت کا استحقاق اپنے اندر صفت صبر پیدا کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ بغیر اس صفت کے پیدا کیے کسی گروہ کو اللہ کی

مدد حاصل نہیں ہوتی۔ دوسری بات یہ نکلتی ہے کہ اسباب و وسائل جس رفتار سے بڑھتے جاتے ہیں خدا کی براہ راست مدد اسی نسبت سے کم ہوتی جاتی ہے۔ تیسری حقیقت یہ سامنے آتی ہے کہ اصل قوت ایمان کی قوت ہے دوسری چیزیں سب اس کے توابع میں سے ہیں۔ چوتھی بات یہ نکلتی ہے کہ جو کچھ بھی ہوتا ہے خدا کے حکم سے ہوتا ہے۔ اس وجہ سے اصل اعتماد اللہ پر ہونا چاہیے نہ کہ اسباب پر۔

۱۴۱۰ آگے کا مضمون —— آیات ۶۷-۷۱

آگے قریش کے اس پراپیگنڈے کا جواب دیا ہے جو انھوں نے بدر میں شکست کھانے کے بعد اسلام، مسلمانوں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف شروع کیا۔ جنگ بدر سے پہلے تک تو، جیسا کہ پیچھے تفصیل سے ذکر ہو چکا ہے، وہ اسلام اور مسلمانوں کی کمزوری کو اسلام کے خلاف بطور ایک دلیل کے پیش کرتے تھے۔ کہتے کہ یہ دین اگر حق ہوتا تو کیا اس کو ایسے ہی کمزور و ناتوان حامل ملتے، اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کے پیغمبر ہوتے تو کیا وہ ایسے ہی بے وسیلہ و ذریعہ اور بے حامی و مددگار ہوتے، اگر اسلام حق ہوتا تو کیا ہم پر کوئی عذاب نہ آجاتا؟ مختصر یہ کہ وہ اپنے غلبہ اور اسلام کی مغلوبیت کو اسلام کے باطل ہونے اور اپنے برحق ہونے کی دلیل ٹھہراتے۔ یہاں تک کہ غزوۂ بدر کو انھوں نے خود فیصلہ کی ایک کسوٹی کا درجہ دے دیا اور ان کے لیڈروں نے علانیہ یہ کہا کہ اس جنگ میں جو جیتے گا وہ حق پر سمجھا جائے گا، جو ہارے گا وہ باطل پر سمجھا جائے گا۔ بالآخر جب جنگ کا نتیجہ ان کے خلاف نکلا اور وہ خود اپنی ہی انتخاب کردہ کسوٹی پر کھوٹے ثابت ہو گئے تو انھیں اپنی قوم کو سنبھالنے اور بدر کی شکست کے اثرات سے اس کو بچانے کے لیے اپنے پروپیگنڈے کے رخ کو بدلنا پڑا۔ اب انھوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ کہیں کسی پیغمبر کے بھی یہ کام ہوتے ہیں کہ وہ اپنی ہی قوم کو یوں باہم لڑا دے، ملک میں خونریزی کرائے، اپنے ہی بھائی بندوں کو قیدی بنائے، ان سے فدیہ وصول کرے، ان کا مال لوٹے اور اس کو اپنے ساتھیوں کو بانٹ کر کھلائے؟ ان کا مطلب یہ تھا کہ یہ سارے کام تو اقتدار و سلطنت کے طالبوں اور دنیاداروں کے ہیں تو یہ پیغمبر کہاں سے ہوئے اور ان کو خدا سے کیا واسطہ؟

قریش نے اپنے پروپیگنڈے سے ایک طرف تو، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، اپنی قوم کو بدر کی شکست کے اثرات سے بچانا چاہا کہ مبادا مسلمانوں کی اس فتح مبین سے وہ اسلام اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حقانیت کا کوئی تصور قبول کرے، دوسری طرف نہایت ہوشیاری سے مسلمانوں کے اس جوش جہاد پر ضرب لگانی چاہی جو بدر کے بعد قدرتی طور پر بہت نمایاں ہو گیا تھا اور جس پر، اوپر کی آیات میں مسلمانوں کو ابھارا گیا ہے۔ یہ صورت حال مقتضی ہوئی کہ اس سلسلہ میں ان کے اس پروپیگنڈے کا جواب دے دیا جائے کہ کم از کم مسلمانوں پر اس کا کوئی برا اثر نہ پڑنے پائے۔ چنانچہ یہاں تمام متعلق گروہوں کو مخاطب

کرکے اس کا جواب دیا گیا۔

پہلے قریش کے لیڈروں کو مخاطب کرکے فرمایا کہ یہ جو کچھ پیش آیا اس کی ذمہ داری نبی پر نہیں بلکہ خود تم پر ہے۔ کوئی نبی اس بات کا روادار نہیں ہوتا کہ وہ قیدی پکڑے، فدیہ وصول کرنے اور مال غنیمت لوٹنے کے لیے زمین میں خونریزی تک نوبت پہنچا دے۔ ان چیزوں کے طالب تم ہو، خدا ان چیزوں کا طالب نہیں ہے۔ شکر کرو کہ ابھی بات یہیں تک رہ گئی۔ ورنہ تم نے جو شرارت کی تھی اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ تم پر خدا کا کوئی سخت عذاب آجاتا لیکن اللہ نے ہر چیز کا ایک وقت مقرر کر رکھا ہے اس وجہ سے تمھیں کچھ مہلت دے دی گئی۔

اس کے بعد مسلمانوں کو مخاطب کرکے فرمایا کہ تم ان شریر لوگوں کے پروپیگنڈے سے ذرا بھی متاثر نہ ہو، جو مال غنیمت تم نے حاصل کیا ہے وہ تمھارے لیے بالکل حلال طیب ہے۔

اسی سلسلہ میں جنگ بدر کے ان قیدیوں کو جنھیں فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا تھا، یہ پیغام دلوایا کہ وہ یہ فدیہ لیے جانے سے دل گرفتہ نہ ہوں۔ یہ ان کے اوپر ایک احسان کیا گیا ہے اور اگر انھوں نے اس احسان کی قدر کی تو بہت ممکن ہے کہ اللہ ان کو اپنے مزید احسان سے نوازے اور اگر انھوں نے اس کی قدر نہ کی بلکہ پھر اسلام کے مقابل میں جنگ کے لیے آئے تو یاد رکھیں کہ اس سے بھی سخت دن دیکھیں گے۔ اس روشنی میں آگے کی آیات تلاوت فرمائیے۔

آیات ۶۷-۷۱

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ۭ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ڰ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۶۷ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝۶۸ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ڮ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۶۹ ع ۹ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۷۰ وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ

مِنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۷۱﴾

ترجمۂ آیات ۶۷-۷۱

کوئی نبی اس بات کا روادار نہیں ہوتا کہ اس کو قیدی ہاتھ آئیں یہاں تک کہ وہ اس کے لیے ملک میں خونریزی برپا کر دے۔ یہ تم ہو جو دنیا کے سروسامان کے طالب ہو، اللہ تو آخرت چاہتا ہے اور اللہ غالب اور حکیم ہے۔ اگر اللہ کا نوشتہ پہلے سے موجود نہ ہوتا تو جو روش تم نے اختیار کی اس کے باعث تم پر ایک عذاب عظیم آدھمکتا۔ ۶۷-۶۸

پس جو مال غنیمت تم نے حاصل کیا اس کو حلال و طیب سمجھ کر کھاؤ برتو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے (۶۹)

اے نبی تمھارے قبضہ میں جو قیدی ہیں ان سے کہہ دو کہ اگر اللہ تمھارے دلوں میں کوئی بھلائی پائے گا تو جو کچھ تم سے لیا گیا ہے اس سے بہتر تم کو وہ عطا فرمائے گا اور تم کو بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔ اور اگر یہ تم سے بدعہدی کریں گے تو اس سے پہلے انھوں نے خدا سے بدعہدی کی تو خدا نے تم کو ان پر قابو دے دیا اور اللہ علیم و حکیم ہے۔ ۷۰-۷۱

۱۵۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ۭ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ڰ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (۶۷-۶۸)

’مَا كَانَ‘ کا اسلوب بیان نفی الزام کے لیے

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ، ’مَا كَانَ‘ کا اسلوب بیان الزام اور رفع الزام دونوں کے لیے آسکتا ہے اور قرآن میں دونوں ہی قسم کے مواقع میں یہ اسلوب استعمال

ہوا ہے۔ اس امر کا تعین کہ یہ الزام کے لیے ہے یا رفع الزام کے لیے موقع و محل، سیاق و سباق، قرینہ اور مخاطب کو پیش نظر رکھ کر کیا جاتا ہے۔ بعینہٖ یہی اسلوب بیان آل عمران ۱۶۱ میں ہے۔ "وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغُلَّ وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (اور کسی نبی کی یہ شان نہیں کہ وہ خیانت کرے اور جو خیانت کرے گا وہ قیامت کے دن اپنی خیانت کے ساتھ حاضر ہوگا) ظاہر ہے کہ یہ آیت الزام کے لیے نہیں بلکہ رفع الزام اور نبی کی تنزیہ شان کے لیے ہے۔ اس آیت کے بارے میں تمام اہل تاویل کا اتفاق ہے کہ منافقین کو مخاطب کر کے یہ بات واضح کی گئی ہے کہ تم نبی پر خیانت کی جو تہمت دھرتے ہو یہ سورج پر تھوکنے کی کوشش کے مترادف ہے، کوئی نبی بھی اس بات کا روادار نہیں ہوتا کہ وہ خیانت اور بے ذمائی کا مرتکب ہو۔ ٹھیک اسی اسلوب پر آیت زیر بحث میں قریش کی تردید کی گئی ہے کہ تم نبی پر یہ الزام جو لگاتے ہو کہ یہ ہوس اقتدار میں مبتلا ہیں، اپنی قوم میں انھوں نے خونریزی کرائی، اپنے بھائیوں کو قید کیا، ان کا مال لوٹا، ان سے فدیہ وصول کیا، یہ ساری باتیں تمھاری اپنی کھسیاہٹ مٹانے کے لیے ہیں۔ کوئی نبی اس بات کا روادار نہیں ہوتا کہ وہ قیدی پکڑنے، فدیہ وصول کرنے اور مال غنیمت لوٹنے کے شوق میں ملک میں خوں ریزی برپا کر دے۔ یہ باتیں تم اس لیے کہتے ہو کہ تم نبی کو اپنے اوپر قیاس کرتے ہو۔ تمھاری چاہتیں چونکہ یہی کچھ ہیں، تم سمجھتے ہو کہ نبی بھی یہی کچھ چاہتا ہے۔

خطاب قریش سے

"تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ" یہ خطاب قریش سے ہے۔ قرآن میں خطاب کا انداز، جیسا کہ ہم بار بار واضح بھی کر چکے ہیں، بالکل اسی طرح کا ہوتا ہے جو ایک اعلیٰ خطیب تقریر میں اختیار کرتا ہے۔ جتنی پارٹیاں سامنے ہوتی ہیں، بیک وقت، سب کی طرف رخ بدل بدل کر ان کے ذہن کے لحاظ سے بات کہتا چلا جاتا ہے۔ خود بات ہی واضح کر دیتی ہے کہ مخاطب کون ہے اور اس کے کس شبہ یا اعتراض کا کیا جواب دیا گیا ہے۔ یہاں بھی یہی صورت ہے۔ اس آیت کا مخاطب مسلمانوں کو اور وہ بھی سید عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) اور صدیق اکبرؓ کو ماننے کی تو کوئی گنجائش ہی نہیں ہے اور بالفرض اس آیت کا مخاطب دل پر جبر کر کے نبیؐ اور صدیقؓ کو تھوڑی دیر کے لیے کوئی مان بھی لے تو اس کے بعد جو آیت آ رہی ہے اس کا مخاطب نبیؐ اور صدیقؓ کو ماننے کے لیے کوئی دل و جگر کہاں سے لائے۔

اسلوب بیان کی بلاغت

بہر حال ہمارے نزدیک یہ خطاب قریش سے ہے اور یہ ان کے اس پروپیگنڈے کا جواب دیا جا رہا ہے جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے۔ فرمایا کہ اس قسم کی دنیا طلبی تمھارا ہی شیوہ ہے۔ اللہ تو آخرت کو چاہتا ہے۔ یہاں اسلوب بیان کی یہ بلاغت ملحوظ رہے کہ یہ نہیں فرمایا کہ نبی اور اہل ایمان آخرت کے طلب گار ہیں بلکہ یہ فرمایا کہ اللہ آخرت کو چاہتا ہے۔ اس سے مقصود اس حقیقت کا اظہار ہے کہ نبی اور اہل ایمان کے ہاتھوں جو کچھ یہ ہو رہا ہے یہ ان کی اپنی مرضی سے نہیں ہو رہا ہے بلکہ اللہ کی مرضی اور اللہ کے حکم سے ہو رہا ہے، نبی اور اہل ایمان کی حیثیت اس سارے کام میں محض آلہ اور واسطہ کی ہے۔ وہ جو کچھ کر رہے ہیں

یہی عین اللہ کا ارادہ اور اس کی مرضی ہے۔ اللہ کی مرضی اپنے بندوں کے لیے یہ ہے کہ وہ ہر کام آخرت کو اپنا نصب العین بنا کر کریں تو نبی اور اس کے ساتھیوں کا کوئی اقدام اللہ کی مرضی کے خلاف کس طرح ہو سکتا ہے۔ گویا بدر اور اس سلسلہ کے تمام اقدامات کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لے لی۔ آخر میں فرمایا کہ اللہ عزیز و حکیم ہے۔ وہ جو ارادہ فرماتا ہے اس کو کوئی روک نہیں سکتا اور اس کا ہر ارادہ عدل و حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔ اب تم جو ناز خاتی کرنا چاہتے ہو کرتے رہو۔

آگے کے لیے ایک تنبیہ

'لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ' یعنی تم نے اتنے ہی پر یہ داویلا برپا کر رکھا ہے۔ حالانکہ یہ تو صرف ایک چرکا ہے جو تمھیں لگا ہے۔ تم نے جو شرارت اس موقع پر کی تھی اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس پر تمھیں ایک عذاب عظیم آ پکڑتا لیکن اللہ نے چونکہ ہر امت کے لیے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے، جس سے پہلے کسی قوم کا فیصلہ نہیں ہوتا اس وجہ سے اس نے تمھیں مہلت دے دی۔ مطلب یہ ہے کہ اس شور و غوغا کے بجائے بہتر یہ ہے کہ اس مہلت سے فائدہ اٹھاؤ اور اس فیصلہ کن گھڑی کے آنے سے پہلے پہلے اپنی روش کی اصلاح کر لو۔

'فِيْمَآ اَخَذْتُمْ' میں 'مَا' کے ابہام کی یہاں کوئی وضاحت موجود نہیں ہے اور 'اَخَذَ' کا لفظ لینے، پکڑنے، اختیار کرنے، کسی ڈھب کو اپنانے، کسی کام کو شروع کرنے سب کے لیے آتا ہے۔ سورۂ توبہ میں ہے 'وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ ۵۰' (اور اگر تمھیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو یہ منافق کہتے ہیں خوب ہوا ہم نے اپنا بچاؤ پہلے ہی کر لیا تھا) یہاں یہ مطلب ہو گا کہ جو طریقہ تم نے اختیار کیا اس کی بنا پر تم سزاوار تو تھے ایک عذاب عظیم کے لیکن اللہ کے قانون کے تحت تمھیں کچھ مہلت مل گئی۔

مفسرین کی ایک الجھن کا ازالہ

ہمارے مفسرین کو ان آیات کی تاویل میں بڑی الجھن پیش آئی ہے۔ ان کے نزدیک یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیقؓ اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین پر عتاب ہے کہ وہ زمین میں خوں ریزی کیے بغیر بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینے پر کیوں راضی ہو گئے۔ صحیح تاویل واضح ہو جانے کے بعد اب اس بات کی تردید کی ضرورت باقی نہیں رہی تاہم چند باتیں ذہن میں رکھیے۔

ایک یہ کہ فدیہ قبول کرنے کے معاملے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ سے بالفرض غلطی ہوئی بھی تو یہ کسی سابق ممانعت کی خلاف ورزی کی نوعیت کی غلطی نہیں تھی بلکہ صرف اجتہاد کی غلطی تھی۔ اجتہاد کی غلطی ایسی چیز نہیں ہے جس پر ایسی سخت وعید وارد ہو۔ بالخصوص ایک ایسا اجتہاد جس کی تصدیق فوراً ہی خود اللہ تعالیٰ نے کر دی ہو۔

دوسری بات یہ کہ یہ اجتہاد کی غلطی بھی نہیں تھی۔ جنگ کے قیدیوں سے متعلق یہ قانون سورۂ محمد میں پہلے بیان ہو چکا تھا کہ وہ قتل بھی کیے جا سکتے ہیں، فدیہ لے کر بھی چھوڑے جا سکتے ہیں اور بغیر فدیہ لیے

محض احساناً بھی چھوڑے جا سکتے ہیں۔

تیسری یہ کہ جہاں تک خوں ریزی کا تعلق ہے اس کے اعتبار سے بھی بدر میں کوئی کسر نہیں رہ گئی تھی۔ قریش کے ستر آدمی، جن میں بڑے بڑے سردار بھی تھے، مارے گئے، کم و بیش اتنے ہی آدمی قید ہوئے۔ باقی فوج بھاگ کھڑی ہوئی تو آخر لڑائی کس سے جاری رکھی جاتی؟

چوتھی یہ کہ یہاں عتاب کے جو الفاظ ہیں وہ قرآن کے مخصوص الفاظ ہیں۔ جو شخص قرآن کے انداز بیان سے آشنا ہے وہ جانتا ہے کہ ان لفظوں میں قرآن نے کبھی کفار و منافقین کے سوا اور کسی پر عتاب نہیں کیا ہے۔ نقل کرنے میں طوالت ہوگی، جس کو تردد ہو وہ قرآن میں ان تمام مواقع پر ایک نظر ڈال لے جہاں لَوۡلَا کِتٰبٌ مِّنَ اللّٰہِ الایۃ کے الفاظ سے کسی پر عتاب ہوا ہے۔

فَکُلُوۡا مِمَّا غَنِمۡتُمۡ حَلٰلًا طَیِّبًا ۫ۖ وَّ اتَّقُوا اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ (۶۹)

مال غنیمت کے حلال ہونے کی یقین دہانی

اب یہ مسلمانوں کی طرف رخ کر کے انھیں اطمینان دلایا کہ تم ان لوگوں کی ان ہفوات کی مطلق پروا نہ کرو، جو مال غنیمت یا فدیہ تمھیں حاصل ہوا ہے اسے کھاؤ برتو، یہ تمھارے لیے حلال و طیب ہے۔ چونکہ یہ بات بعینہٖ اسی بات کا ایک حصہ ہے جو اوپر والی آیات میں مسلمانوں کے دفاع میں کہی گئی ہے اس وجہ سے 'فَ' کے واسطہ سے اسی پر عطف کر دی گئی ہے۔ بس اتنا فرق ہوا ہے کہ اوپر کی بات قریش کو مخاطب کر کے کہی گئی ہے اس لیے کہ وہ انہی سے کہنے کی تھی اور اس دوسری بات کا رخ مسلمانوں کی طرف ہو گیا ہے اس لیے کہ یہ انہی کو جتانے کی تھی۔ خطاب میں اس طرح کی جو لطیف تبدیلیاں ہوتی ہیں اس کی متعدد مثالیں خود اس سورہ میں بھی گزر چکی ہیں۔ ایک نہایت عمدہ مثال سورۂ یوسف میں موجود ہے۔

یُوۡسُفُ اَعۡرِضۡ عَنۡ ہٰذَا ٜ وَ اسۡتَغۡفِرِیۡ لِذَنۡۢبِکِ ۚۖ اِنَّکِ کُنۡتِ مِنَ الۡخٰطِـِٕیۡنَ (۲۹ - یوسف)

یوسف، تم اس سے اعراض کرو، اور تو اپنے گناہ کی مغفرت چاہ بے شک تو ہی خطا کاروں میں سے ہے۔

دیکھیے، ایک ہی سانس میں عزیز مصر نے حضرت یوسفؑ کو بھی خطاب کیا ہے اور اپنی بیوی کو بھی اور رخ کی تبدیلی اور بات کی نوعیت سے خطاب کا فرق بغیر کسی التباس کے نمایاں ہو گیا۔

یہاں مسلمانوں کو مال غنیمت کے حلال و طیب ہونے سے متعلق جو اطمینان دلایا گیا وہ درحقیقت قریش کے جواب میں ہے۔ ہم اوپر اشارہ کر چکے ہیں کہ واقعہ بدر کے بعد قریش نے یہ پروپیگنڈا شروع کیا کہ مسلمان مدعی بن کر تو اٹھے ہیں دینداری کے لیکن ان کے کام بالکل دنیا داروں کے ہیں۔ بھلا دین داروں کے یہی کام ہوتے ہیں کہ ملک میں خونریزی کریں، مال غنیمت لوٹیں، فدیہ وصول کریں اور اس کو مزے سے کھائیں؟ یہ تو وہی شیوہ ہے جو ہمیشہ سے دنیا داروں کا شیوہ ہے۔ قرآن نے یہ بتایا کہ تم ان مفتیوں کے فتوے کی ذرا پروا نہ کرو۔ ان کے نزدیک تو تم ہر شکل گنہگار ہو۔ اگر تم اس جنگ میں ہار جاتے تو تمھارا ہار جانا ان کے نزدیک تمھارے باطل ہونے کی دلیل بنتا اب جب کہ جیت گئے ہو تو تمھارا قیدی پکڑنا، مال غنیمت پانا

اور فدیہ وصول کرنا اور اس کو کھانا ان کے نزدیک تمھارے باطل پر ہونے کی دلیل ہے۔ ان لوگوں سے عہدہ برآ ہونے کی شکل بس یہ ہے کہ ان کی پروا نہ کرو اور اللہ نے جو فتوح تمھیں بخشی ہیں ان سے فائدہ اٹھاؤ، یہ تمھارے لیے حلال طیب ہیں۔

یہ امر یہاں ذہن میں رکھیے کہ اس زمانے میں عام طور پر مذہب کے رہبانی تصور کا غلبہ تھا اس وجہ سے اس امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ بہت سے نیک دل لوگ قریش کے اس پروپیگنڈے سے متاثر ہو جائیں جس کا اثر مسلمانوں کے اس ولولۂ جہاد پر پڑے جس کی اس سورہ میں دعوت دی جا رہی ہے۔ قرآن نے ان کی تردید کر کے اس امکان کا سدباب کر دیا۔

'وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ' مطلب یہ ہے کہ جو چیز جائز اور طیب ہے اس کو تو کھاؤ برتو البتہ اللہ سے ڈرتے رہو کہ کسی ایسی چیز میں آلودہ نہ ہو جاؤ جس سے خدا نے منع فرمایا ہے۔ اگر تم حدود الٰہی کے تجاوز سے بچتے رہے تو وہ تمھاری چھوٹی موٹی غلطیوں اور کوتاہیوں پہ گرفت نہیں فرمائے گا، وہ غفور رحیم ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْۤ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰۤى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّاۤ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (۷۰-۷۱)

جنگِ بدر کے قیدیوں سے خطاب

اب یہ بدر کے قیدیوں کے لیے ایک پیغام بھی ہے اور ساتھ ہی ایک دھمکی بھی۔ پیغام تو یہ ہے کہ تم سے جو فدیہ لیا گیا ہے اس سے دل گرفتہ ہونے کے بجائے تمھیں اللہ اور رسول کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ قتل کرنے کے بجائے تمھیں فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا۔ یہ تمھارے اوپر اللہ اور رسول کا بہت بڑا احسان ہے اور اس احسان کا حق یہ ہے کہ تم ٹھنڈے دل سے اپنے رویہ کا از سرِ نو جائزہ لو اور سارے معاملہ پر جذبات کے بجائے عقل و انصاف کی روشنی میں غور کرو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو تم احسان کی قدر کرنے والے ہو گے اور تمھاری یہ سعادت اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی توفیق کو تمھاری طرف متوجہ کرے گی اور اس فدیہ سے جو تم سے لیا گیا ہے، کہیں بڑھ کر وہ تمھیں اسلام کی نعمت سے بخش دے گا اور تمھاری مغفرت فرمائے گا۔

وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ الآیہ۔ یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی اور بدر کے قیدیوں کو دھمکی ہے۔ پیغمبر کو خطاب کر کے فرمایا کہ اگر انھوں نے بے وفائی کی اور تم نے ان پر جو احسان کیا ہے اس کی قدر نہ پہچانی، پھر لڑنے کے لیے آئے تو یہ تمھارا کچھ نہیں بگاڑیں گے، اپنی ہی شامت بلائیں گے اس سے پہلے انھوں نے خدا سے بے وفائی و بدعہدی کی تو اس کا مزا انھوں نے چکھا کہ خدا نے ان کو تمھارے ہاتھ میں دے دیا۔ اگر یہی حرکت انھوں نے پھر کی تو خدا پھر انھیں قابو میں دے دے گا اور یہ اپنی اس بدعہدی کی سزا بھگتیں گے۔ یہاں جس بدعہدی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے

کہ اللہ نے ان کو اپنے حرم کا پاسبان بنایا اور ان کو ملتِ ابراہیم کی وراثت سپرد کی تو انھوں نے حرم کی حرمت برباد کی اور ملتِ ابراہیم کو مسخ کیا جس کے نتائج ان کے آگے آ رہے ہیں۔ اگر اپنے اس جرم پر یہ کچھ اور اضافہ کرنا چاہتے ہیں تو یہ شوق بھی کر لیں، اس کے پھل بھی یہ چکھیں گے۔

ان دونوں آیتوں پر غور کیجیے تو یہ بات واضح ہو گی کہ آنحضرتؐ نے بدر کے قیدیوں کو فدیہ لے کر جو چھوڑ دیا تو نہ صرف یہ کہ اللہ تعالیٰ کو اس پر کوئی اعتراض نہیں بلکہ اس نے اس کو پسند فرمایا اور ان قیدیوں کو یہ پیغام بھجوایا کہ یہ اس لیے کیا گیا ہے کہ اگر انھوں نے اس احسان کی قدر کی تو اس سے ان کے لیے قبولِ اسلام اور مغفرت کی راہیں کھلیں گی۔ غور کیجیے کہ کہاں یہ بات اور کہاں وہ جو محض بعض تفسیری روایات کی بنا پر مفسرین نے اختیار فرمائی کہ آنحضرتؐ پر اس بات کے لیے عتاب ہوا کہ اچھی طرح خون بہائے بغیر تم نے قیدی کیوں پکڑے اور فدیہ کیوں قبول کیا۔

۱۶- آگے کا مضمون —— آیات ۷۲-۷۵

اب آگے خاتمۂ سورہ کی آیات ہیں۔ مسلمانوں کو ایمان و ہجرت کی اساس پر منظم ہو جانے اور ایمان و ہجرت ہی کو باہمی تعاون و تناصر کی بنیاد قرار دینے کا حکم ہوا۔ جاہلیت کے خاندانی تعلقات اور ان کی ذمہ داریاں یک قلم ختم کر دی گئیں۔ حکم ہوا کہ جو لوگ ایمان لائیں، ہجرت کر کے مدینہ میں آ بسیں اور مسلمانوں کے ساتھ مل کر اہلِ کفر سے جہاد کریں وہ ایک ملت اور باہم دگر ایک دوسرے کے بھائی اور اولیاء ہیں۔ گویا اسلامی معاشرہ کو اس کی مخصوص اساسات پر منظم اور مستحکم کرنے کا حکم دیا گیا تاکہ ملتِ کفر کے مقابلہ کے لیے انصار و مہاجرین ایک بنیان مرصوص کی طرح کھڑے ہو سکیں۔ اور مسلمانوں کو جہاد پر جو ابھارا گیا ہے یہ اس جہاد کی تیاری بھی ہے اور آگے والی سورہ میں کفار سے جو اعلانِ براءت ہونے والا ہے اس کی تمہید بھی۔ آیات کی تلاوت فرمائیے۔

آیات ۷۲-۷۵

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا لَكُم مِّن وَلَايَتِهِم مِّن شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا ۚ وَإِنِ اسْتَنصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ إِلَّا عَلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم

مِّيْثَاقٌ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۷۲﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِى الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ﴿۷۳﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْۤا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۴﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِىْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۵﴾ ع

ترجمہ آیات ۷۲-۷۵

وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنھوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے جان و مال سے جہاد کیا اور وہ لوگ جنھوں نے پناہ دی اور مدد کی یہی لوگ باہم دگر ایک دوسرے کے ولی ہیں۔ رہے وہ لوگ جو ایمان تو لائے لیکن انھوں نے ہجرت نہیں کی تمھارا ان سے کوئی رشتۂ ولایت نہیں تا آنکہ وہ ہجرت کریں۔ اور اگر وہ دین کے معاملے میں تم سے طالب مدد ہوں تو تم پر مدد واجب ہے الا آنکہ یہ مدد کسی ایسی قوم کے مقابلے میں ہو جن کے ساتھ تمھارا معاہدہ ہو۔ اور اللہ جو کچھ تم کرتے ہو اس کو دیکھ رہا ہے۔ اور جنھوں نے کفر کیا وہ آپس میں ایک دوسرے کے حامی و مددگار ہیں تو اگر تم یہ نہ کرو گے تو ملک میں ظلم اور بڑا فساد ہوگا۔ اور جو لوگ ایمان لائے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جنھوں نے پناہ دی اور مدد کی، یہی لوگ پکے مومن ہیں۔ ان کے لیے مغفرت اور باعزت روزی ہے۔ اور جو ایمان لائیں اس

کے بعد آ ور ہجرت کریں اور تمھارے ساتھ جہاد میں شریک ہوں، یہ بھی تمھی میں سے ہیں اور رحمی رشتے والے اللہ کے قانون میں ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں۔ بے شک اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔ ۷۲-۷۵

۱۷۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا لَكُم مِّن وَلَايَتِهِم مِّن شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا ۚ وَإِنِ اسْتَنصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ إِلَّا عَلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (۷۲)

اسلام میں حمایت ونصرت کی بنیاد ایمان پر ہے

اسلام سے پہلے باہمی حمایت ونصرت کی بنیاد خاندانی و قبائلی عصبیت پر تھی۔ کوئی شخص یا خاندان کسی خطرے یا کسی مصیبت میں مبتلا ہوتا تو اس کا خاندان یا قبیلہ اس کی حمایت و مدافعت میں سربکف ہوتا۔ اسلام نے مدینہ میں جو نیا معاشرہ قائم کیا اس میں حمایت ونصرت کی بنیاد ایمان اور ہجرت پر رکھی۔ فرمایا کہ جو لوگ ایمان لائے، جنھوں نے ہجرت کی اور اپنے مال و جان سے خدا کی راہ میں جہاد کیا اور وہ لوگ جنھوں نے ان مہاجرین کو پناہ دی اور ان کی مدد کی، یہ باہم دگر ایک دوسرے کے یاور، ناصر اور حامی و مددگار ہیں۔ 'آمَنُوا وَهَاجَرُوا' سے ظاہر ہے کہ مہاجرین مراد ہیں اور 'آوَوا وَّنَصَرُوا' سے انصار۔ ان دونوں گروہوں کا ذکر ان کے اسماء و اعلام کے بجائے ان کی صفات اور ان کی دینی خدمات سے کیا ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس نئی سوسائٹی میں خاندان و نسب کی عصبیت کے بجائے اعتبار صرف ایمان و اسلام اور ہجرت و جہاد کا ہوگا۔ یہ ایک دوسرے کے ولی یعنی حامی و ناصر ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ حمایت ونصرت اہل کفر کے مقابل میں ہے۔ یہ بات اگرچہ بیان واقعہ کے اسلوب میں ہوئی ہے لیکن اس کے اندر امر کا مضمون بھی مضمر ہے یعنی یہ حکم ہے کہ اہل کفر کے مقابل میں اہل ایمان ایک دوسرے کے حامی و مددگار بن کر کھڑے ہوں اور جب ضرورت پیش آئے ایک دوسرے کی حمایت و مدافعت کریں۔

ہجرت کے بعض کی مصالح

'وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا لَكُم مِّن وَلَايَتِهِم مِّن شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا' ان لوگوں کو جو اسلام تو لا چکے تھے لیکن ابھی انھوں نے دارالکفر سے دارالاسلام مدینہ کو ہجرت نہیں کی تھی اس رشتۂ ولایت سے الگ رکھا یعنی دارالاسلام والوں پر ان کی حمایت ونصرت اور حفاظت و مدافعت

کی ذمہ داری نہیں ہے۔ اس ذمہ داری کے نہ اٹھانے کی وجہ ظاہر ہے کہ یہی ہے کہ عملاً یہ ناممکن بھی تھا اور اس سے بہت سی بین الاقوامی پیچیدگیاں بھی پیدا ہو سکتی تھیں۔ علاوہ ازیں اس وقت مصلحت بھی تھی اور حکم بھی یہی تھا کہ تمام وہ لوگ جو اسلام لا چکے ہیں دارالکفر کے علاقوں سے نکل کر مدینہ میں مجتمع ہوں تاکہ اہل کفر سے نمٹنے اور سبیت اللہ کی آزادی کے لیے منظم جدوجہد عمل میں آسکے۔

معاہدہ کا احترام

وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ یعنی ہرچند دارالاسلام والوں پر ان مسلمانوں کی حمایت و مدافعت کی ذمہ داری نہیں ہے جنھوں نے دارالکفر سے ہجرت نہیں کی ہے تاہم اگر وہ دین کے معاملے میں طالب مدد ہوں تو ان کو ممکن مدد بہم پہنچائی جائے بشرطیکہ یہ مدد کسی ایسی قوم کے مقابل میں نہ ہو جس سے مسلمانوں کا معاہدہ ہو۔ معاہدہ کا احترام مقدم ہے۔ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ۔ یہ معاہدہ کے احترام کو مؤکد کرنے کے لیے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ معاہدہ کے احترام کے منافی خفیہ یا علانیہ جو قدم بھی تم اٹھاؤ گے خدا اس سے بے خبر نہیں رہے گا۔ وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۭ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ (۷۳)

دین میں دارالکفر کے مسلمانوں کی امداد کی وجہ

یہ وجہ بیان ہوئی ہے اس بات کی کہ خاص دین کے باب میں دارالکفر کے مسلمانوں کی مدد کرنا کیوں ضروری ہے، فرمایا کہ جہاں تک اسلام اور مسلمانوں کی عداوت کا تعلق ہے اس معاملے میں تمام کفار ایک دوسرے کے دست و بازو بن گئے ہیں۔ جو اللہ کا بندہ اسلام قبول کر لیتا ہے اس کی تعذیب و ایذا رسانی سب کے نزدیک کار ثواب ہے۔ یہاں تک کہ ظالموں کے ظلم سے اس کو بچانے کے لیے اس کے اپنے بھائی بندوں کی حمیت بھی مردہ ہو چکی ہے۔ اس کا مال اور اس کی جان سب مباح ہیں۔ ایسی حالت میں اگر تم بھی ان مظلوموں کی مدد نہ کرو گے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ دین سے پھرنے کے لیے سارے ملک میں ظلم و فساد عام ہو جائے گا۔ فتنہ کا لفظ یہاں (PERSECUTION) کے مفہوم میں ہے اور اِلَّا تَفْعَلُوْهُ میں ضمیر مفعول کا مرجع وہی نصرت ہے جس کا ذکر فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ میں آیا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ (۷۴)

دارالکفر کے مسلمانوں کے لیے ہجرت صداقت کی کسوٹی ہے

اس آیت میں ہجرت کو دارالکفر کے مسلمانوں کے لیے صداقت کی کسوٹی قرار دیا ہے۔ جب یہ فرمایا کہ سچے اور پکے مسلمان وہی ہیں جنھوں نے ہجرت اور جہاد کیا اور جنھوں نے مہاجرین کو پناہ دی اور ان کی مدد کی تو اس سے یہ بات آپ سے آپ نکلتی ہے کہ اسلام کی اصل دولت مہاجرین و انصار ہیں۔ رہے وہ لوگ جو ایمان تو لا چکے ہیں لیکن ابھی انھوں نے دارالکفر سے ہجرت نہیں کی ہے، انھیں اپنے ایمان کی حقانیت ثابت کرنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ دارالکفر سے نکل کر دارالاسلام میں آئیں اور مہاجرین و انصار کے دوش بدوش جہاد میں شریک ہوں۔ اس سے ہجرت کی وہ غایت بھی واضح ہوئی جس

کی طرف ہم نے اوپر اشارہ کیا کہ اس کا اہم مقصد مسلمانوں کو جہاد کے لیے منظم کرنا تھا، دوسرے یہ اشارہ بھی نکلا کہ یہ ایمان و نفاق کے جانچنے کی کسوٹی بھی ہے۔ چنانچہ بعد والی سورہ۔ سورہ توبہ۔ میں یہ بات واضح ہو جائے گی کہ جن لوگوں نے ایمان کے دعوے کے باوجود، آخر تک، بلا کسی عذر معقول کے ہجرت سے گریز اختیار کیا، ان کا شمار منافقین کے زمرے میں ہوا۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ۭ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (۷۵)

دارالکفر کے مسلمانوں کو ترغیب، دارالاسلام کے مسلمانوں کو تنبیہ

یہ دارالکفر کے مسلمانوں کو ہجرت کی ترغیب و تشویق بھی ہے کہ تمہارے لیے بھی اسلامی معاشرہ کا یہ دروازہ کھلا ہوا ہے اس کی طرف سبقت کرو اور اس میں اپنا مقام حاصل کرو اور دارالاسلام کے مسلمانوں کو تاکید بھی کہ بعد میں ایمان لانے والوں اور ہجرت کرنے والوں کے لیے بھی اپنے دلوں کے دروازے کھلے رکھو وہ بھی تمہارے ہی بھائی بند اور تمہارے ہی وجود ملی کے اجزا ہیں۔ نہ ان کے مقابل میں تمہارے اندر کوئی احساس برتری پیدا ہو، نہ دلوں میں کوئی تنگی۔

اولوالارحام کے شرعی حقوق مقدم ہیں

'وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ' یہ اخوت و نصرت کے اس عام ضابطہ کے ساتھ جو اوپر مذکور ہوا، حقوق اور وراثت کے اس خاص قانون کی یاددہانی کر دی گئی ہے جو قرآن میں بیان ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ رحمی رشتوں کی بنا پر جو حقوق اللہ تعالیٰ نے قائم فرمائے ہیں وہ بدستور قائم رہیں گے۔ یہ اخوت اس میں کوئی تبدیلی نہیں کرے گی۔ رحمی رشتوں کے حقوق کے ساتھ 'فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ' کی قید یہ بات واضح کرتی ہے کہ یہاں حقوق سے مراد رحم اور قرابت کے وہ حقوق ہیں جو اللہ کے قانون میں بیان ہوئے ہیں، وہ رسوم اس سے خارج ہیں جو جاہلیت میں رائج رہے ہیں۔ قرآن کے دوسرے مقامات میں بھی جہاں مسلمانوں کو اپنے دینی و اسلامی بھائیوں اور اولیاء کے ساتھ حسن سلوک، اور نصرت و اعانت کی تاکید کی گئی ہے وہاں یہ تنبیہ کر دی گئی ہے کہ اولوالارحام کے شرعی حقوق مقدم رہیں گے۔ سورۂ احزاب میں ہے وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓى اَوْلِيٰۗىِٕكُمْ مَّعْرُوْفًا ۭ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۶- احزاب (اور مومنین و مہاجرین میں رحمی رشتے والے ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں، اللہ کے قانون میں، مگر یہ کہ تم اپنے اولیا کے ساتھ کوئی حسن سلوک کرو، یہ چیز کتاب میں لکھی ہوئی ہے)۔

'اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ' مطلب یہ ہے کہ اللہ کی ہر بات اس کے بے خطا علم پر مبنی ہے اور ہر چیز کا اس نے ایک محل و مقام مخصوص کیا ہے۔ دینی اخوت و ولایت کا اپنا دائرہ ہے اور رحمی قربت و قرابت کا اپنا مقام ہے۔ اپنے اپنے محل میں دونوں کا احترام کرو اور خدا نے ان کے جو حقوق ٹھہرائے ہیں ان کو ادا کرو۔

اسلامی سیاست کے چند اصول

اس مجموعۂ آیات پر تدبر کی نظر ڈالیے تو ان سے اسلامی سیاست کے چند اصول سامنے آئیں گے جو بین الملّی بھی ہیں اور بین الاقوامی بھی۔ ہم اختصار کے ساتھ ان کی طرف اشارہ کریں گے۔

۱۔ ایک یہ کہ انصار و مہاجرین ایک دوسرے کے اولیاء ہیں ان کے درمیان ایمان اور ہجرت کا رابطہ اور اسی کی اساس پر اخوت اور حمایت و نصرت کے حقوق و فرائض ہیں۔ پچھلی خاندانی و قبائلی عصبیتیں ختم ہوئیں اور باہمی تعاضد و تناصر اور حمیت و حمایت کی اساس اسلامی اخوت پر استوار ہوئی۔

۲۔ جو لوگ ایمان لائے لیکن انھوں نے دار الکفر سے دار الاسلام کی طرف ہجرت نہیں کی وہ اس نئے اسلامی معاشرہ کے حقوق حمایت و نصرت میں شریک نہیں ہیں تا آنکہ وہ ہجرت کریں۔

۳۔ یہ دار الکفر میں پڑے ہوئے مسلمان اگر اسلام لانے کے جرم میں کہیں ستائے جا رہے ہوں تو ان کو ظلم سے بچانے کے لیے ان کی مدد کی جائے بشرطیکہ اس کے لیے کسی معاہد قوم سے جنگ نہ کرنی پڑے۔

۴۔ ہجرت ہر مسلمان پر واجب قرار دی گئی تاکہ مسلمان کفر کی طاقتوں سے مقابلہ کے لیے ایک مرکز میں مجتمع اور منظم ہو سکیں۔

۵۔ رحمی رشتوں کی بنا پر قرآن نے جو حقوق قائم کیے ہیں اسلامی اخوت کے حقوق ان پر اثر انداز نہ ہوں گے۔ وہ بہر حال مقدم رہیں گے۔

ان سطروں پر اس سورہ کی تفسیر تمام ہوتی ہے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

لاہور

۱۹؍ فروری ۱۹۶۹ء